بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

(النور)

"وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں برا چرچا پھیلے ان کے

لئے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں"

گناہوں سے بچانے والی

ایک حدیث پاک کی بہترین تشریح

جنت کی ضمانت

مؤلفہ

مولانا محمد افضل ایم اے

ناشر

مکتبہ معین الاسلام گلی ۳ کارخانہ بازار فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (النور)

"وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بُرا چرچا پھیلے' ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں"

گناہوں سے بچانے والی

ایک حدیث پاک کی بہترین تشریح

جنّت کی ضمانت

مؤلفہ

مولانا محمد افضل ایم، اے

ناشر

مکتبہ معین الاسلام گلی ۳ کارخانہ بازار فیصل آباد

076773
MAILSI

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب ________ جنت کی ضمانت

مولفہ ________ مولانا محمد افضل ایم اے

ناشر ________ رشید احمد نوری

تعداد ________ یک ہزار

تاریخ اشاعت ________ جون ۱۹۷۸ء

صفحات ________

مطبع ________

کتابت ________ [illegible] ارشد مارکیٹ فیصل آباد

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI PUBLIC LIBRARY

قیمت ۳/۵۰

Masood Faisal Jhandir Library

ملنے کا پتہ

مکتبہ معین الاسلام

گلی نمبر ۳ کارخانہ بازار فیصل آباد

فون نمبر ۲۲۹۰۲ پوسٹ بکس ۲۷۳

اِنتساب

میں اپنی اس تالیف کا انتساب اپنے مخدوم و محترم بزرگ استاذ العلماء مولانا علامہ ابو المعالی **محمد معین الدین**، صاحب قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ کے اسمِ گرامی سے کرتا ہوں جن کی نگاہِ لطف و عنایت سے مجھے آج بھی دینی و علمی ماحول میسّر ہے۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

محمد افضل کوٹلوی غفرلہٗ

عرضِ ناشر

چند دن ہوئے ایک کتاب کے مطالعہ کے دوران میں ہی ایک حدیث پاک نظر سے گزری جس میں رسولِ کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو مجھے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ میں نے اس حدیث پر غور کیا اور سوچتا رہا کہ اگر ہم رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک پر عمل کرنا شروع کر دیں تو ہمارے معاشرہ سے کتنی برائیاں دور ہو سکتی ہیں۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ کسی عالمِ دین سے اس حدیث پاک کی تشریح کرا کے ضرور شائع کروں گا۔ چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں حضرت محترم مولانا محمد افضل کوٹلوی ایم۔اے مدظلہ العالی کی خدمتِ عالیہ میں عرض کی کہ وہ اس حدیث پاک کی تشریح تحریر فرمائیں انہوں نے میری اس درخواست کو قبول فرمایا۔ اور بڑی وضاحت کے ساتھ اس حدیثِ پاک کے سلسلہ میں ایک مضمون قلمبند فرما کر دیا۔ میں اپنے ارادہ کی تکمیل کرتے ہوئے اس مضمون کو کتابی صورت میں شائع کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہوں "اور برادرانِ اسلام سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ مجھے اس قسم کی مزید کتابیں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مجھے اور تمام مسلمانوں کو اسلام کے احکامات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں حضرت محترم مولانا محمد افضل صاحب مدظلہ العالی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میری درخواست کو قبول فرماتے ہوئے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے وقت نکال کر یہ مضمون تحریر فرمایا۔

رشید احمد ملانوری عفی عنہ

آغازِ سخن

پچھلے دنوں برادرِ محترم صوفی رشید احمد صاحب نوری نے محبوبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کی تشریح کرنا میرے ذمہ لگایا۔ حدیثِ پاک میرے سامنے تھی اور میں حیران تھا کہ اس حدیث پاک میں دنیا و آخرت کی بھلائی کا جو عظیم الشان سبق موجود ہے مجھ جیسا ہیچمیدان اسے کیسے قلمبند کر سکے گا۔ اِدھر علمی بے بضاعتی کا اعتراف تھا اُدھر پیہم تقاضے کہ یہ کام ضرور کرنا ہے۔ اللہ کا نام لیکر قلم اٹھایا اور یہ مختصر سا مضمون قلمبند کر دیا...

مضمون جیسا بھی ہے آپ کے سامنے ہے! اگر کوئی کوتاہی نظر آئے تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کوتاہی سے بچا جا سکے۔ اگر مضمون پسند آئے تو راقم کیلئے دعائے خیر و برکت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

برادرانِ اسلام! آج ہمارا معاشرہ بری طرح اخلاقی انحطاط کا شکار ہے بے حیائی، بے راہروی اور بدکاری عام ہے، فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہے۔ بدزبانی و بدکلامی معمولاتِ زندگی میں شامل ہیں۔ ایک دردمند دل رکھنے والا سچا مسلمان جب ان حالات کو دیکھتا ہے تو انتہائی درد و کرب محسوس کرتا ہے۔ وہ قوم جس نے انسانوں کو شرفِ انسانیت سے روشناس کرایا تھا جس نے بداخلاقی و بے حیائی کا خاتمہ کیا تھا، افسوس کہ آج اسی قوم کی آنکھوں کے سامنے شہوانی جذبات کے مناظر موجود ہیں، اچھائیوں کو عام کرنا اور برائیوں کو روکنا جس قوم کے فرائض میں داخل تھا آج وہی قوم شہوانی محرکات میں گھری ہوئی نظر آتی ہے۔ بے حیائی و بداخلاقی اور بدکرداری عام ہوتی جارہی ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا معاشرہ قائم فرمایا تھا جس کی بنیادیں اخلاق و کردار، شرافت و نجابت۔ محبت و اخوت ایثار و ہمدردی اور امن و سلامتی پر رکھی گئی تھیں اور اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے زندگی خوف و اندیشہ سے پاک اور دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئی تھی۔

آج بھی اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ پاک و صاف ہو جائے۔ قتل و غارت گری کی گرم بازاری ختم ہو جائے۔ شراب خوری۔ زناکاری۔ قماربازی۔ فریب دہی۔ چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں باقی نہ رہیں تو اس کے لئے لازماً ہمیں اُسوۂ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنانا پڑے گا۔

قرآن پاک اور احادیثِ مبارکہ میں ایک صاف ستھرا معاشرہ قائم کرنے کے سلسلہ میں ہمیں واضح ہدایات ملتی ہیں چنانچہ قرآن پاک کے اٹھارھویں پارے کی ابتدائی آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے جو امتیازی اوصاف بیان فرمائے ہیں اگر ان اوصاف کو

اپنالیا جائے تو ہمارا معاشرہ یقیناً ایک مثالی وفلاحی معاشرہ بن سکتا ہے ارشادِ خداوندی ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور جو کسی بے ہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیبیوں اور شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں تو جو کوئی ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس کی میراث پائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (کنزالایمان)

آج اگر معاشرے کا ہر فرد مذکورہ ارشادِ خداوندی پر عمل پیرا ہو جائے تو بتایئے کہ معاشرے میں کوئی بھی برائی باقی رہ سکتی ہے؟۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں ایمان لانے کے بعد نمازوں میں خضوع و خشوع اختیار کرنے لغو باتوں سے بچنے زکوٰۃ ادا کرنے، نمازوں کی محافظت، امانتوں کی رعایت اور عہد کی پابندی کرنے کی تاکید فرمائی ہے وہاں شرم گاہوں کی حفاظت کو بھی لازم قرار دیا ہے۔

اگر ذرا غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ معاشرے کی ابتری کا ایک بڑا سبب شہوانی محرکات ہیں اسلام نے شہوانی محرکات کی روک تھام کیلئے واضح ہدایات فرمائی ہیں۔ مذکورہ آیاتِ مبارکہ میں

عفت وپاک دامنی اختیار کرنے کے سلسلہ میں حفظِ فروج کے الفاظ بیان کئے گئے ہیں۔

یہاں لفظ فروج اپنے اصطلاحی معنوں میں بیان کیا گیا ہے۔ فروج کے معنی دو چیزوں کے درمیان میں خلا کے ہیں۔ فروج سرحدی مقام کو بھی کہتے ہیں جس طرح سرحدی مقام پر پہرے بٹھا کر اپنے علاقے کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح قرآن پاک نے شیطان سے بچنے کے لئے "فروج" کی حفاظت ونگہبانی کا حکم ارشاد فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ يَضْمِنُ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ (بخاری)

جو میرے لئے ضامن بنے دونوں جبڑوں اور پاؤں کے درمیان کا میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کو ناجائز استعمال نہ کرے اور ان کی نگہبانی وپاسبانی کر کے اس کی ضمانت دے تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زبان اور شرم گاہ کی نگرانی ونگہبانی کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے اور جنت کا مالک ہونے کی حیثیت سے ان دونوں کی حفاظت کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی اعضا میں سے یہی دو ایسے عضو ہیں جو فتنہ وفساد کا سبب بنتے ہیں اور معاشرے میں ابتری وانتشار پیدا ہوتا ہے۔ زبان کو ہی لے لیجئے اس زبان کی وجہ سے کیا کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے معاشرے میں فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑے کے جتنے بھی واقعات رونما ہوتے ہیں ان میں سے اکثر زبان ہی کے سبب رونما ہوتے ہیں۔ ساس بہو کا جھگڑا ہو یا میاں بیوی کی لڑائی۔ سیاسی ہنگامہ آرائیاں ہوں یا مذہبی فسادات، آپ غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان سب کی محرک اوّل زبان ہے چنانچہ اسی لئے حکیم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کو قابو میں رکھنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے توحید۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج۔ صدقہ۔ تہجّد اور جہاد کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا کہ اے معاذ (رضی اللہ عنہ)! کیا تمھیں ان کی کی جڑ اور اصل نہ بتاؤں۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیے۔ آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کہ اس کو روکے رکھو۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا زبان کی وجہ سے بھی لوگ جہنّم میں جائیں گے۔ فرمایا۔ ہاں! بہت سے لوگ زبان کی کمائی کی وجہ سے جہنّم میں اوندھے مُنہ گرائے جائیں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے جسے ترمذی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے تمام اعضا، زبان کی تعظیم اور خوشامد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے زبان! ہمارے معاملہ میں تو ڈرتی رہنا، ہم تیرے ساتھ ہیں اگر تو درُست رہے گی تو ہم بھی درست رہیں گے اگر تو ٹیڑھی ہو گی، ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اکثر و بیشتر جھگڑے زبان ہی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان جھگڑوں سے بچنے کے لئے زبان کو درُست رکھنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ زبان کی ذرا سی حرکت یعنی بد کلامی۔ گالی۔ غیبت اور غلط شکایت سے بات کہاں سے کہاں جا پہنچتی ہے اور بسا اوقات زبان کی معمولی سی لغزش کتنے ہی افراد کو تباہی و بربادی کی طرف لے جاتی ہے اور پھر اسی زبان کی بدولت انسان کو جہنم کا ایندھن بھی بننا پڑتا ہے۔ بہت سے لوگ زبان سے الفاظ نکالتے وقت سوچتے نہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ بعض حضرات تو بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ کفریہ کلمات زبان سے نکال دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مذاق اور خوش طبعی کے طور پر بھی ایسی باتیں زبان پر آ جاتی ہیں جو حدِ کفر تک لے جاتی ہیں۔

اسی لیے تو رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کا چُپ رہنا

ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ ایک اور موقعہ پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ چُپ رہنا لازم پکڑو کہ چُپ رہنا شیطان کو دفع کرتا ہے اور اس سے امرِ دین میں مدد ملتی ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا کہ دو خصلتیں پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں لیکن میزانِ اعمال میں بہت بھاری ہیں۔ ایک خاموشی اختیار کرنا اور دوسری خوش خُلقی۔ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے روایت کی ہیں۔

امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من صمت نجا۔ جس نے خاموشی اختیار کی وہ نجات پا گیا۔ امام غزالی علیہ الرحمہ نے احیاءُ العُلوم میں ارشاد فرمایا ہے کہ کلام کی چار قسمیں ہیں پہلی یہ کہ جس میں نقصان ہی نقصان ہے اور فائدہ کوئی نہیں۔ دوسری یہ کہ جس میں کچھ نقصان ہے اور کچھ فائدہ۔ تیسری یہ کہ جس میں نہ نقصان اور نہ فائدہ۔ چوتھی یہ کہ جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور نقصان کوئی نہیں۔ لہٰذا ایک عقلمند انسان یقیناً اس امر سے بچے گا کہ جس میں نقصان ہی نقصان ہو اور جس میں کچھ نُقصان ہو اور کچھ فائدہ ہو اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ اس لئے کہ فائدہ حاصل کرنے کی نسبت دفع ضرر مقدم ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ اگر کسی شخص کو کسی جگہ چند روپے ملنے کی امید ہو اور ساتھ یہ بھی معلوم ہو کہ روپے حاصل کرنے سے بے عزتی بھی ہوگی تو کوئی بھی عقلمند شخص عزت بیچ کر روپے نہیں لے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جس میں نہ کوئی نقصان ہے نہ کوئی فائدہ تو اس کا کرنا ہی فضول اور لغو ہے اور وقت کا ضائع کرنا ہے۔ اس فضول اور لغو بات سے بھی بہرصورت بچنا ہی بہتر ہے۔ اب آخری صورت کہ جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے کوئی بے وقوف اور کم عقل انسان ہی ایسا ہوگا کہ جو اس کو اختیار نہیں کرے گا۔ لہٰذا ہم سب کو بھی وہی راستہ اختیار کرنا چاہیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے اور زبان کو غلط استعمال سے ہر صورت میں بچانا چاہیئے۔ اسی میں ہمارا فائدہ ہے اور اسی میں ہماری نجات بھی ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ بہت سے ایسے بڑے بڑے گناہ ہیں جو زبان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اِن میں سے غیبت چغلی جھوٹ جھوٹی گواہی۔ وعدہ خلافی۔ یاوہ گوئی گالی اور بے ادبی اور گستاخی کے کلمات خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں ان گناہوں کے بارے میں تفصیل سے عرض کروں گا۔

غِیبت

اِسلام نے مسلمانوں کی عزت و آبرو کے تحفظ اور باہمی تعلقات کی خوش گواری کی بقا کے لئے جن رذائل سے روکا ہے ان میں غیبت اور بدگوئی سرِفہرست ہے۔ غیبت سے مسلمانوں کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچتا ہے اور باہمی تعلقات میں ناگواری پیدا ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ان اُمور کی ممانعت فرمائی گئی جن سے مسلمانوں کے عیوب کی پردہ دری ہوتی ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں غیبت جو عیوب کی پردہ دری کا ایک بڑا سبب ہے سخت ممانعت کی گئی ہے اور غیبت کرنے کو اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔

لَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ۔ (حجرات)

اور تم میں سے بعض بعضوں کو پیٹھ پیچھے بُرا نہ کہیں۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم کو گھن آئے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑے پُرزور طریقہ سے غیبت کی ممانعت کی ہے۔ انسان کا گوشت محض اس کی عزت و حُرمت کی وجہ سے حرام ہے تو جب کوئی انسان دوسرے انسان کا گوشت کھانا گوارا نہیں کرتا تو پھر غیبت کے ذریعہ سے اس کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچانے کے درپے ہونا کس طرح پسند کرتا ہے۔

بیہقی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت زِنا سے بھی زیادہ بُری ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیبت زنا سے زیادہ بری کس طرح ہے؟ فرمایا کہ زنا کرنے کے بعد تو زنا کرنے والا توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے لیکن غیبت کرنے والا اس وقت تک نہیں بخشا جاتا جب تک کہ جس کی غیبت کی گئی ہو وہ نہ بخشے۔ ابو داؤد کتاب الغیبۃ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے ان ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچتے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزّت و آبرو کو لیتے تھے یعنی غیبت کرتے تھے جزاءً سیئۃً کے مطابق چونکہ اعمال اور اعمال کی جزا و سزا میں مناسبت ہوتی ہے اسی لئے عالمِ برزخ میں بھی غیبت کرنے والوں کی یہ سزا دکھائی گئی کہ وہ خود اپنا گوشت نوچ رہے ہیں۔

بیہقی نے ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ دو آدمیوں نے نمازِ ظہر یا عصر ادا کی اور وہ دونوں روزہ دار تھے۔ جب نماز پڑھ چکے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کو دوبارہ وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ موجودہ روزہ بھی رہنے دو لیکن اس کے عوض ایک اور روزہ بھی رکھو۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ایسا کیوں؟ تو فرمایا تم نے فلاں شخص کی غیبت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوبارہ وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم اس لئے دیا کہ غیبت سے وضو میں کراہت آجاتی ہے اور انھوں نے مکروہ وضو سے نماز پڑھی تھی۔ اگرچہ غیبت ناقضِ وضو نہیں اور نہ ہی اس سے روزہ ٹوٹتا ہے لیکن کراہت ضرور آجاتی ہے اور روزہ کے ثواب میں بھی کمی آجاتی ہے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سے فرمایا جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ غیبت اسے کہتے ہیں کوئی اپنے مسلمان بھائی کے پیچھے ایسی بات کرے جو اس کے سامنے بیان کی جائے تو وہ برا مانے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ بات اس میں ہو تو۔ فرمایا اگر وہ بات اس میں ہو تو اس کا بیان کرنا ھی تو غیبت ہے اگر وہ بات نہ ہو اور اس کو بیان کیا جائے تو بہتان ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غیبت اسی کو کہتے ہیں کہ کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی جھوٹی برائی بیان کی جائے۔ حالانکہ جیسا کہ حدیث مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹی برائی کا بیان کرنا غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے غیبت یہ ہے کہ کس کی پیٹھ پیچھے اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کی جائے جو اس کے سامنے کی جائے تو اس کو ناگوار گزرے جیسا کہ کوئی شخص کانا ہو اگر اسے اس کے سامنے کانا کہا جائے گا تو اسے ناگوار گزرے گا لہٰذا اس کو پیٹھ پیچھے اسے کانا کہنا اس کی غیبت کرنا ہوگا۔

غیبت صرف زبان ہی سے نہیں ہوتی بلکہ ہاتھ، پاؤں اور آنکھ کے ذریعہ سے بھی غیبت کی جاسکتی ہے۔ کسی شخص کی نقل کرنا مثلاً کوئی شخص لنگڑا ہے تو اس کے لنگڑا پن کو ظاہر کرنے کے لئے لنگڑا کر چلنا۔ کسی کانے کے کانا پن کو نمایاں کرنے کے لئے ایک آنکھ بند کر لینا یا کسی پستہ قد شخص کے قد کو ہاتھ کے اشارے سے بتانا، یہ سب باتیں غیبت میں شمار ہوتی ہیں۔ ابو داؤد کتاب الادب میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اشارے سے ایک شخص کی نقل اتاری تو آپ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غیبت، تعریض۔ تصریح۔ رمز و اشارت، تحریر و کتابت اور محاکات و نقالی ہر طریقہ سے ہو سکتی ہے۔ اسی طرح نسب۔ اخلاق۔ دین و دنیا جسم۔ کپڑے غرض ہر چیز جس میں عیب نکالا جائے غیبت میں شمار ہوتا ہے۔ قلم جس کو احد اللسانین کہا گیا ہے اس کے ذریعہ کسی کا عیب ورطۂ تحریر میں لانا بھی غیبت ہے۔

جس طرح غیبت کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی جائز نہیں ہے۔ غیبت کا سننے

والا بھی شریکِ غیبت ہو جاتا ہے۔ غیبت کرنے والے کو غیبت کرنے سے روکنا باعثِ اجر و ثواب ہے اور غیبت سننا موجبِ عذاب۔ امام احمد اور طبرانی نے روایت کی ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کرنے سے دوسرے کو روک دے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس کو دوزخ سے آزاد کر دے۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ جو مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو بچانے کے لئے اس کی مدد نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کی اس وقت مدد نہیں کرے گا جب کہ اس کی مدد کی ضرورت ہو یعنی آخرت میں۔ جو مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے اس کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی اس وقت مدد کرے گا جس وقت اس کی مدد کی بہت ضرورت ہو گی۔

چند ایسی صورتوں کا بیان بھی انتہائی ضروری ہے جن صورتوں میں غیبت جائز ہو جاتی ہے جیساکہ مظلوم ظلم و ستم سے محفوظ رہنے کے لئے ظالم کی غیبت کر سکتا ہے مثلاً کسی شخص پر ظلم کیا جائے اسے ناحق ستایا جائے یا اس کا مال چھین لیا جائے یا اس کا حق تلف کر لیا جائے تو وہ اس سلسلہ میں حاکمِ وقت یا قاضی یا کسی عدالت میں اس ظلم کا حال بیان کر سکتا ہے۔ مسئلہ پوچھتے وقت اگر بعض ایسی تفصیلات بیان کر دی جائیں جو غیبت کے زمرہ میں آتی ہوں تو ان کا بیان کرنا بھی جائز ہے جیساکہ ابوسفیان کی بیوی ھندہ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ابوسفیان بخیل ہیں اور میری اور میری اولاد کے لئے معقول خرچ نہیں دیتے۔ کیا میں ان کے مال میں سے بغیر ان کو بتائے کچھ لے سکتی ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ھندہ سے فرمایا تھا کہ وہ ابوسفیان کے مال میں سے اپنی اور اپنی اولاد کی ضرورت کے مطابق مال لے سکتی ہیں یہاں ھندہ نے ابوسفیان کا عیبِ بخالت بیان کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے منع نہیں فرمایا اس لئے کہ وہ مسئلہ دریافت کرنے کے سلسلہ میں تھا۔ اسی طرح خیر خواہی کے لئے مشورہ طلب کرتے وقت بیان حال کی خاطر کسی کا عیب بیان کرنا بھی ناجائز نہیں جیساکہ فاطمہ بنت قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم نے مجھے

نکاح کا پیغام دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابوجہم تو لاٹھی کندھے سے نہیں اتارتا یعنی عورتوں کو بہت مارا کرتا ہے اور معاویہ مفلس ہے تو اسامہ بن زید سے نکاح کر لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کی خیر خواہی کے لیے مشورہ عنایت فرماتے وقت ابوجہم اور معاویہ کے عیب بیان فرمائے اور یہ ثابت فرما دیا کہ کسی کی خیر خواہی اور دفع ضرر کی خاطر مشورہ دیتے وقت ایسا کرنا جائز ہے۔

کسی بدعقیدہ اور بدمذہب شخص کی بدعقیدگی اور بدمذہبی سے لوگوں کو بچانے کے لئے اس کی بدعقیدگی اور بدمذہبی کا بیان کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری بھی ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو لوگ اس کے فریب میں آ کر گمراہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نادانستہ کسی ایسے شخص کو ملازم رکھنا چاہتا ہے یا دوست بنا لیتا ہے جو بددیانت اور بدچلن ہے۔ تو اس شخص کو ایسے بددیانت یا بدچلن دوست کے کردار سے آگاہ کرنا بھی جائز ہے اس لئے کہ اس میں اس کی خیر خواہی اور اسے بُری صحبت سے بچانا مقصود ہوتا ہے۔ کسی شخص کا پتا معلوم کرتے وقت اگر لوگوں کو اس کا نام معلوم نہ ہو یا اسی نام کا دوسرا فرد بھی موجود ہو تو اس کا کوئی جسمانی عیب ظاہر کر کے پوچھنا بھی جائز ہے جیسے ایک ہی علاقے میں زید نام کے دو تین افراد موجود ہوں تو پوچھنے والا یوں پوچھ سکتا ہے کہ وہ زید جو لنگڑا ہے؟

جھوٹ

انسان کے اخلاقِ ذمیمہ میں سے سب سے بُری اور مذموم عادت جھوٹ کی ہے۔

جھوٹ جتنا مذموم عمل ہے افسوس کہ اتنا ہی عام ہے۔ ہماری معاشرتی برائیوں میں سے جھوٹ ایک ایسی برائی ہے جو ہر جگہ نظر آتی ہے۔ گھر ہو یا بازار۔ دفتر ہو یا دکان۔ سیاست ہو یا صحافت۔ کوئی گوشۂ زندگی ایسا نظر نہیں آتا جہاں جھوٹ ڈیرے ڈالے نظر نہ آتا ہو۔ گوئبلز نے کہا تھا کہ اتنا جھوٹ بولو کہ رفتہ رفتہ وہ سچ معلوم ہونے لگے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج پوری دنیا

گوبلز کے اسی مقولہ پر عمل پیرا ہے۔ آج زندگی کی کامیابی کا راز ہی جھوٹ میں پوشیدہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات عام سننے میں آتی ہے کہ اس دور میں دیانت دار اور سچے انسان کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں۔ میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا۔ صرف اتنا عرض کروں گا۔ یہ سب باتیں محض اس لئے سننے میں آتی ہیں کہ ہم نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے اگر ہم نے اسلام کی تعلیمات کو اپنایا ہوتا تو آج ہمارے معاشرے میں جھوٹوں کے لئے کوئی جگہ نہ ہوتی۔

اسلام کی لغت میں لفظ لعنت سخت ترین لفظ ہے۔ اس کے معنی رحمت سے دوری اور محرومی کے ہیں۔ قرآن پاک نے اس لفظ کا مستحق شیطان کو ٹھہرایا ہے۔ اس کے بعد یہودیوں، کافروں اور منافقوں کو لعنت کی وعید سنائی ہے لیکن کسی مسلمان کے لئے لعنت کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا سوائے جھوٹے کے۔ جھوٹ بولنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ جھوٹ بولنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو منافقوں کی نشانی فرمایا ہے بلکہ قرآن پاک نے تو یہاں تک فرمایا ہے۔

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔

جھوٹی باتیں وہی بناتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر خصلت مسلمان میں ہو سکتی ہے لیکن خیانت اور جھوٹ مسلمان کی خصلت نہیں بن سکتا۔ گویا جھوٹ اور خیانت ایمان کی ضد ہیں جہاں ایمان ہوگا وہاں جھوٹ اور خیانت کا ہونا ناممکن ہے لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مسلمان کہلانے والے ہی آج جھوٹے اور خیانت کے حامل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ بولنے والوں اور خیانت کرنے والوں کا دعویٰ اسلام محض زبانی ہے۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ میں اور جھوٹ بولتے بولتے آدمی خدا کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا۔ جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے اور جو نیکی کا کام کرتا ہے وہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے اور جو ایمان سے بھرپور ہوتا ہے وہ جنت میں داخل ہوتا۔ اس شخص نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ فرمایا جھوٹ بولنا جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا اور جب گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرے گا اور جو کفر کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جھوٹ حد سے بڑھ جائے تو کفر بن سکتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا ہے۔ ایک اور شخص بیٹھا ہوا ہے۔ کھڑا شخص لوہے کا آنکڑا بیٹھے شخص کے منہ میں ڈال کر ایک طرف کا کلہ چیرتا ہے یہاں تک کہ وہ پشت تک چر جاتا ہے پھر دوسرے کلے کو بھی اسی طرح چیرتا ہے۔ آپ نے جبرئیل سے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ جبرئیل نے عرض کیا کہ یہ کذاب ہے، جھوٹ بولنے والا ہے۔ یہ اتنا جھوٹ بولتا ہے کہ ساری دنیا میں مشہور ہو جاتا ہے۔ اس کو قیامت تک ایسا ہی عذاب ملتا رہے گا۔ دنیاداری کے معاملات میں جھوٹ بولنے کی جب اتنی بڑی سزا ہے تو غور کیجئے جو لوگ دین کے معاملات میں جھوٹ بولتے ہیں ان کو کتنی بڑی سزا ملے گی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض معمولی علم رکھنے والے لوگ اپنا علمی بھرم رکھنے کے لئے غلط سلط مسئلے بتاتے رہتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ آج اپنا جھوٹا وقار قائم رکھنے کی خاطر غلط مسئلہ بتا رہے ہیں۔ لیکن کل قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا بعض مقررین تقریروں کے دوران دوسرے گروہ کے بارے میں غلط عقائد بتا کر لوگوں کے جذبات کو بھڑکاتے اور اپنی خطابت کی دکان چمکاتے ہیں حالاں کہ ایک طرف تو ایسا کرنا بہتان کے زمرہ میں آتا ہے اور دوسری طرف وہ کذب کا ارتکاب کرتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مجھ پر

جھوٹ بولے یعنی مجھ سے ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی تو ایسا شخص اپنا ٹھکانہ دوزخ میں سمجھے۔

جھوٹے خواب بیان کرنا، کشف والہام کی جھوٹی نسبت اپنی طرف قائم کرنا یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹے خواب بیان کرتا ہے قیامت کے دن اس سے جَو میں گرہ لگانے کے لئے کہا جائے گا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہیں وہ ہم میں سے نہیں اور وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

اپنے نسب کا غلط ظاہر کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے مثلاً اگر کوئی سادات کے خاندان سے تعلق نہیں رکھتا اور خود کو سید کہلاتا ہے وہ سخت گناہ کار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے باپ کے سوا دوسرے کو اپنا باپ بنائے اس پر جنت حرام ہے۔

آج ہم ذرا ذرا سی بات پر جھوٹ بولنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ جھوٹ ہمارے معمولاتِ زندگی میں اس طرح شامل ہو چکا ہے کہ جھوٹ بولتے ہوئے ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ مثلاً ایک ملازم اپنے محکمہ سے چھٹی لینا چاہتا ہے۔ وہ چھٹی لینے کیلئے علالت کا عذر پیش کرتا ہے۔ حالاں کہ وہ بیمار نہیں ہوتا تو اس کا جھوٹا عذر پیش کرنا ہی جھوٹ ہے۔ عام طور پر والدین بچوں سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر فلاں کام کرو گے تو تمھیں فلاں چیز انعام میں دیں گے لیکن ایسا کرتے نہیں تو یہ بھی جھوٹ کے زمرے میں آتا ہے۔ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کم سنی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے۔ میری والدہ نے مجھے بلانے کے لئے کہا کہ یہاں آؤ، تمھیں کچھ دوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جو کہتی ہو وہ دینا نہیں چاہتی۔ والدہ نے عرض کیا۔ حضور میں اس کو کھجور دوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اس کو اس وقت کچھ نہ دیتیں تو تمھارے اعمال میں یہ جھوٹ لکھا جاتا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی صاحب کو باہر دروازے پر کوئی دوسرے صاحب آواز دیتے ہیں۔ صاحب خانہ اپنے بچے کو بھیج کر کہلوا دیتا ہے کہ ابا جان گھر پر نہیں — ایسا کرنے سے ایک طرف تو اس شخص نے خود جھوٹ بولا اور دوسری طرف اپنے بچے کو جھوٹ بولنے کی ترغیب دی۔ بچوں کو یہ کہہ کر ڈرانا کہ بلی آگئی۔ ہوّا آگیا! یہ بھی جھوٹ میں شامل ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

ہمارے معاشرہ میں جھوٹ کی جو چھوٹی چھوٹی اقسام پائی جاتی ہیں ان میں سے یہ بھی ہیں کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی سے ملنے جائیں اور صاحب خانہ ان سے کچھ کھانے پینے کے لئے کہے تو وہ تصنع اور بناوٹ سے کہدیتے ہیں کہ مجھے خواہش نہیں یا میں کھا کے آیا ہوں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ تو ان کا ایسا کرنا بھی جھوٹ میں شامل ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کوئی کسی چیز کی خواہش رکھے اور پھر کہہ دے کہ مجھے اس کی خواہش نہیں تو کیا یہ بھی جھوٹ ہوگا ارشاد ہوا کہ ہر جھوٹے سے چھوٹا جھوٹ بھی جھوٹ لکھا جائے گا۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ملازمت کے دوران اپنے عہدوں کو غلط بیان کرتے ہیں مثلاً ایک کلرک سے پوچھا جائے کہ کس پوسٹ پر کام کر رہے ہو تو وہ کہہ دیتا ہے، ہیڈ کلرک ہوں تو ایسا کرنا بھی جھوٹ ہے۔ اسی طرح کئی لوگ اپنی تنخواہوں کی مقدار بھی بڑھا چڑھا کر بتانے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ تمام باتیں جھوٹ میں شامل ہیں۔ ایک دفعہ ایک عورت نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری ایک پڑوسن (یا سوتن) ہے اگر میں اس کے سامنے یہ ظاہر کروں کہ مجھے شوہر نے یہ کچھ دیا ہے اور حقیقت میں ایسا نہ ہو۔ مقصد صرف اس کو جلانا ہو تو کیا یہ بھی گناہ ہے؟ فرمایا جتنا کسی کو نہیں دیا گیا اس سے بڑھا کر بتانے والا جھوٹ کے دو جامے پہننے والے کی طرح ہے۔ جھوٹ کے دو جاموں سے مراد یہ ہے کہ ایک جھوٹ یہ ہوا کہ جو چیز اس کو ملی نہیں اس کا ملنا بتا رہا ہے اور دوسرا جھوٹ یہ کہ دینے والے

نے اس کو دیا نہیں وہ اس کا دینا بتا رہا ہے۔

عالم نہ ہو اور خود کو عالم باور کرائے۔ دولت مند نہ ہو اور خود کو دولت مند ظاہر کرے۔ کوئی چیز اس کے پاس نہیں وہ چیز اپنے پاس ظاہر کرے۔ یہ سب جھوٹ ہے اور دوسروں کو دھوکا دینا ہے۔

بعض لوگ لطفِ صحبت کے لئے محفل میں خوش گپیوں کے دوران میں جھوٹے لطیفے گھڑ گھڑ کے سنانے کے عادی ہوتے ہیں حالاں کہ اس سے کسی کا نقصان نہیں ہوتا لیکن اسلام نے اس کی ممانعت کردی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے اس پر افسوس ہے اس پر افسوس!

اسی طرح محض سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق دوسروں کو بتاتے پھرنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے اس سے انسان کا سوسائٹی میں اعتبار نہیں رہتا چنانچہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع (مقدمہ صحیح مسلم)

آدمی کو یہ جھوٹ بس ہے کہ جو سنے وہ کہتا پھرے۔

ہمیں اللہ جل جلالہٗ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اگر ہم ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں گے جھوٹ بولنا چھوڑ دیں گے تو ہمارے معاشرہ کی کتنی ہی برائیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور مجھ میں کئی عیب ہیں۔ میں جھوٹ بھی بولتا ہوں۔ میں چوری بھی کرتا ہوں۔ مجھ سے زنا کا ارتکاب بھی ہوتا ہے اور شراب نوشی بھی کرتا ہوں۔ سارے گناہ تو میں چھوڑ نہیں سکتا۔ صرف ایک گناہ چھوڑ سکتا ہوں۔ فرمائیں کون سا گناہ چھوڑ دوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جھوٹ بولنا چھوڑ دے۔

اس نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ لیکن جب چوری کے ارادے سے نکلا تو سوچا کہ اگر چوری کی اور چوری کے الزام میں مجھ سے باز پرس ہو گی تو سچ بتانا پڑے گا اور شرعی حد لگ

لگ جائے گی۔ پھر زنا کرنے کا ارادہ کیا تو ایسا ہی خیال آیا۔ شراب نوشی کرنے لگا تو یہی بات سوچی۔ آخر اس نے تمام گناہوں سے توبہ کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جھوٹ چھڑوا کر اس سے سارے ہی گناہ چھڑوا دیئے۔ تو ہم بھی اگر یہ عہد کر لیں کہ آئندہ جھوٹ نہیں بولیں گے تو یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہماری کئی معاشرتی برائیاں ختم ہو سکتی ہیں۔

جھوٹی قسمیں کھانا

ہماری معاشرتی و اخلاقی برائیوں میں سے جھوٹی قسمیں کھانا اس قدر عام ہے کہ یوں معلوم ہوتا جیسے کہ جھوٹی قسم کھانا کوئی بری بات ہی نہیں۔ جھوٹی قسمیں کھانا بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹی قسمیں کھانا منافقوں کی علامت بیان کی ہے۔ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ ۔ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَٰنًا وَتَوْفِيقًا

پھر کیسا جب ان کو اپنے ہی کرتوت سے کوئی تکلیف پہنچے پھر تیرے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہماری غرض بھلائی اور ملاپ کی تھی۔

اسی طرح سورہ توبہ، مجادلہ، منافقون اور نحل میں متعدد مقامات پر جھوٹی قسمیں کھانا منافقوں کی علامت بتائی گئی ہے۔ مسجدِ ضرار تعمیر کرنے والے منافقین نے بھی مسجدِ ضرار تعمیر کرنے کے بعد قسمیں کھائی تھیں کہ ان کا ارادہ تو محض بھلائی تھا۔ ان کی قسموں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔

اول تو بے ضرورت قسم کھانا ہی برا ہے پھر جھوٹی قسمیں کھانا تو اور زیادہ برا ہے۔ جھوٹی قسمیں کھانا کسی طرح بھی ایک مسلمان کی شان کے لائق نہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھوٹی قسمیں کھانے سے بڑی سختی سے روکا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بہت بڑے گناہ یہ ہیں کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

قتل ناحق کرنا اور جھوٹی قسم کھانا - دیکھئے اس حدیث میں جھوٹی قسم کھانے کو شرک اور قتلِ ناحق جیسے بدترین گناہوں کے ساتھ رکھا گیا ہے اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ جھوٹی قسم کھانا کتنا بڑا گناہ ہے۔ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ حدیث کی ان سب کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کی طرف نظرِ رحمت نہ کرے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ تین آدمی کون ہیں۔ فرمایا جو اپنا لباس ٹخنوں سے نیچے تک لٹکاتا ہے (یہ غرور و تکبر کی علامت ہے) جو احسان جتلاتا ہے اور جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال بیچتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹی قسم مال کو بکوا دیتی ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔ روحانی حیثیت سے تو برکت ختم ہو ہی جاتی ہے لیکن بعد میں اس کا نفع بھی نقصان میں بدل جاتا ہے اور بالآخر جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے اس کا اعتبار بھی ختم ہو جاتا ہے اور اس کا کاروبار بھی بے اعتباری کی وجہ سے گھاٹے میں چلا جاتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا تجارت میں قسمیں کھانے سے پرہیز کرو کیوں کہ اس طرح پہلے کامیابی ہوتی ہے پھر بے برکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی قسم شہروں کو ویران و برباد کر دیتی ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا جو کوئی جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال لیتا ہے، قیامت میں جب وہ خدا کے پاس جائے گا تو خدا اس پر غضب فرمائے گا۔ مسلم شریف کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کسی مسلمان کے حق کو جھوٹی قسم کھا کر لینا چاہے گا خدا اس پر دوزخ کی آگ کو واجب کرے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا اگرچہ معمولی سی چیز ہو؟ فرمایا: ہاں، اگرچہ درخت (اراک یا پیلو) کی ڈالی ہی کیوں نہ ہو۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر قسم اٹھا لیتے ہیں اور بعض کو اللہ کی

قسم۔ خدا کی قسم جیسے الفاظ تکیہ کلام بن چکے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ عادت فوراً ترک کر دینی چاہیئے بعض لوگ ذرا ذرا سی بات پر کہہ دیتے ہیں، خدا گواہ ہے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا خدا شاہد ہے کہ یوں نہیں ہوا۔ اول تو یہ کہنا ہی درست نہیں لیکن اگر اس نے وہ کام کیا ہے جس کی نفی کر رہا ہے تو گویا وہ جھوٹ پر خدا کو گواہ بنا رہا ہے جو بہت بڑا گناہ اور کفر اولیٰ ہے، جھوٹ کی بدترین شکل ہے۔

اگر کسی وجہ سے قسم کھانا ناگزیر ہو تو قسم صرف اللہ کی کھانی چاہیئے۔ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں۔ ابو داؤد اور نسائی میں ہے کہ رسول اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم نہ کھاؤ اپنے باپوں اور اپنی ماؤں کی اور نہ ان کی جن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور نہ قسم کھاؤ خدا کی مگر سچی ۔ ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فَمَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ۔ جس نے غیر خدا کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

کسی آیندہ کی بات پر اگر کوئی قسم کھا لے مثلاً یہ کہہ دے کہ خدا کی قسم میں فلاں کام کروں گا۔ اب اگر وہ یہ کام نہیں کرتا تو گناہ گار بھی ہوگا اور اس پر کفارہ بھی لازم ہوگا۔ کفارہ یہ ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان سب کو کپڑے پہنائے اور ان تینوں سے عاجز ہو تو فی مسکین بقدر صدقہ فطر دے۔ یا پھر تین روزے رکھے۔ اگر کسی بُرے کام کے کرنے کی قسم کھائی ہے تو اس کو توڑنا لازم ہے۔ وہ قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔

قرآنِ پاک نے خلاف شرع قسم توڑنے کے بارے میں فرمایا ہے۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (تحریم)

یعنی اللہ تعالےٰ نے تم پر اپنی قسموں (خلاف شرع قسموں) کو کھول دینا لازم کر دیا ہے۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسلام کی ھدایات پر عمل کریں اور خواہ مخواہ قسمیں نہ کھائیں۔ اور جھوٹی قسمیں کھانے سے ہر حالت میں بچیں۔ جھوٹی قسمیں کھانے سے جہاں گناہ ہوتا ہے وہاں معاشرہ میں جھوٹی قسمیں کھانے والے کا وقار و اعتبار بھی ختم ہو جاتا ہے۔

وعدہ خلافی و عہد شکنی

ہمارے معاشرہ میں پائے جانے والی اخلاقی برائیوں میں سے وعدہ خلافی بھی عام ہے۔ اکثر لوگ وعدہ کر لیتے ہیں اور اسے پورا نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں وعدہ کی خلاف ورزی کرنا کوئی اہم بات نہیں حالاں کہ قرآن پاک نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا ط

بے شک وعدہ کے بارے میں بھی باز پُرس ہوگی۔

یعنی قیامت کے دن وعدہ خلافی کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ باز پرس فرمائے گا۔ سورۂ توبہ میں منافقوں کے بارے میں فرمایا کہ

بِمَا اَخْلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوْہُ وَبِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ ط

یعنی انھوں نے (منافقوں نے) خُدا سے وعدہ کر کے خلاف کیا اور جھوٹ بولتے تھے۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بولے جھوٹ بولے۔ جب وعدے کرے خلاف کرے۔ جب امانت دار بنایا جائے تو خیانت کرے۔ مُسلم شریف میں اس کے بعد ہے کہ اگرچہ وہ روزہ رکھتا ہو۔ نمازیں پڑھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ بیہقی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص عہد کو پورا نہیں کرتا اس کا دین کامل نہیں۔

عام طور پر آج کل مسلمان عہد شکنی کرنے کے عادی ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے وعدہ خلافی و عہد شکنی ایک مسلمان کے کسی طرح بھی لائقِ شان نہیں ہے۔ بلکہ ایک مسلمان کی شان تو ہے کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے لیکن مسلمان وعدہ سے نہیں پھر سکتا۔ قرآنِ مجید میں بار بار عہد کی پابندی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور عہد کی پابندی کو اصل ایمان کے اوصاف میں بیان فرمایا گیا ہے۔ چناں چہ ایمان والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا ہے۔

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا۔ (بقرہ)

اور جب اپنے وعدے کو پکا کریں تو پورا کرنے والے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (مومنون)

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس ملحوظ رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی پابندی کا حکم ہے ہی، اللہ تعالیٰ نے تو مشرکین کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا بھی حکم دیا ہے بشرطیکہ مشرکین بھی اپنے عہد کے پابند رہیں اور عہد شکنی نہ کریں۔ چناں چہ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔

مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا پھر انھوں نے تم سے کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کو مدد دی تو ان سے کئے ہوئے عہد کو ان کی مقررہ مدت تک پورا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں مشرکوں سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ المتقین فرمارہا ہے۔ یہیں سے عہد کی پابندی کی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ صرف عہد کی پابندی کا حکم فرمایا بلکہ عملاً خود بھی ایسی روشن مثالیں قائم فرمادی ہیں کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ہدایت و روشنی کا سامان مہیا کرتی رہیں گی۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جو عہد نامہ تحریر ہوا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کفار کی قید میں سے کوئی مسلمان بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آجائے تو وہ کفار کو واپس کر دیا

جائے گا۔ معاہدہ کی تحریر کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی کہ حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایمان لا چکے تھے اور مشرکینِ مکہ کی قید میں تھے، کسی طرح قید سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، پاؤں میں بیڑیاں تھیں، جسم کفار کی اذیتوں سے چُور ہو رہا تھا۔ کفار نے ابوجندل کو واپس لینے کا مطالبہ کیا۔ ان کفار میں حضرت ابوجندل کا والد سہیل بھی موجود تھا۔ حضرت ابوجندل نے اپنے جسم کے زخم دکھاتے ہوئے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ میں ایمان لا چکا ہوں، مجھے واپس نہ کرو۔ ان کی اس بات سے مسلمان تڑپ اٹھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں انہیں واپس نہ کرنے کی درخواست کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں، خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ خدا میری مدد کرے گا۔

حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ چودہ سو مسلمانوں سے فریاد کر رہے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ابوجندل! صبر و ضبط سے کام لو۔ خدا تمہارے اور دوسرے مظلوموں کے لئے کوئی راستہ پیدا فرمادے گا۔ اب صلح ہو چکی ہے اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے (ابن ہشام)

غرض ابوجندل رضی اللہ کو پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔ مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ چاہتے تو تلواریں نیاموں سے باہر آسکتی تھیں لیکن رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق صبر و ضبط کا ثبوت دیا۔

اسی طرح غزوۂ بدر کے موقع پر تین سو تیرہ نہتے مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کا ایک ہزار کا لشکر تھا جو سامانِ حرب سے پوری طرح مسلح تھا۔ اس وقت جب کہ لشکرِ اسلام میں ایک فرد کا اضافہ بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا دو صحابی حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر شریک جہاد ہونے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ راستے میں انھوں نے کفار سے جہاد میں شریک

نہ ہونے کا عہد کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہمیں خدا کی مدد کافی ہے۔ (مسلم)

ذرا غور فرمائیے! ایسے نازک وقت میں جب کہ دشمن کے مقابلہ میں ایک آدمی کا اضافہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام وعدہ وفا کرتے ہوئے دونوں صحابیوں کو جہاد میں شریک نہیں کرتے۔ ایک ہم ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر وعدہ شکنی کرتے رہتے ہیں۔

آج کل عہد شکنی اور وعدہ خلافی جس قدر عام ہے شاید پہلے کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ ہم ذرا ذرا سی بات پر وعدے کرتے اور پھر ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ خصوصاً ہمارے کاروبارِ سیاست کا دارومدار سارے کا سارا ہی عہد شکنی و وعدہ خلافی پر ہے۔ جھوٹے وعدے کر لئے جاتے ہیں لیکن بعد میں پورے نہیں ہوتے جس کی وجہ سے ملک میں انتشار و فساد پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے لیڈر اور مقررین حضرات کسی جگہ آنے کا وعدہ کر لیتے ہیں لیکن وعدہ پورا نہیں کرتے۔ ہزاروں لوگ ان کے انتظار میں پریشان رہتے ہیں۔ انتظامات کے سلسلہ میں اخراجات الگ ہوتے ہیں لیکن ان لیڈروں اور مقرروں کو احساس تک نہیں ہوتا کہ ہماری وعدہ خلافی سے مخلوق خدا کو کس قدر پریشانی کا سامنا ہو رہا ہے۔

بعض دکان دار بھائی وعدہ کر لیتے ہیں کہ فلاں وقت یہ چیز لے جانا ضرور تیار ملے گی۔ لیکن وہ وعدہ کے مطابق وقتِ مقررہ پر وہ چیز نہیں دیتے۔ ہمارے ان دکان دار اور مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے بھائیوں کو بھی چاہیئے کہ وہ وعدوں کو پورا کرنے کا خیال رکھیں۔ البتہ اگر کسی نے کسی کام کا وعدہ کیا لیکن قدرتی طور پر کوئی رکاوٹ پیدا ہو گئی تو وہ عند اللہ ماخوذ نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ تعالیٰ کے الفاظ ضرور کہے۔ اگر وعدہ کرتے وقت نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ ہو تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ ترمذی کی روایت کے مطابق ایسا کرنا علامات نفاق میں سے ہے اور کبیرہ گناہ میں سے ہے۔ برا کام کرنے

جوا، کھیلنے۔ رقص و سرود کی محفل میں جانے، رشوت لینے یا دینے یا کسی اور خلافِ شرع کام کرنے کا وعدہ کیا ہے تو اس کا پورا نہ کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ لازم بھی ہے۔

اِفشائے راز اور چغل خوری

چغل خوری کو عربی میں نمیمہ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کی بات دوسرے شخص کے سامنے اس طرح بیان کی جائے کہ فتنہ و فساد پیدا ہو۔ مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو گھر میں بُرا کہا اب اس کو کسی شخص نے بتا دیا کہ فلاں شخص نے تم کو بُرا کہا ہے۔ یہ چغلی ہے۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان جھوٹی سچی بات بیان کر کے ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکاتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف دلوں میں نفرت و کدورت پیدا کرتے ہیں جس سے قتل و خون ریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہے گویا چغلی خوری درحقیقت فتنہ انگیزی ہے۔

قرآن پاک نے ایسے لوگوں کے بارے میں مشاءٍ بنمیم کہا ہے اور ان سے الگ رہنے کی تاکید کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں تمھیں بتاؤں کہ سب سے برے لوگ کون ہیں؟ پھر خود ہی فرمایا۔

اَلْمَشَّاءُوْنَ بِالنَّمِیْمَةِ الْمُفْسِدُوْنَ بَیْنَ الْاَحِبَّةِ۔

جو چغلیاں کھاتے پھرتے اور دوستوں کے درمیان فساد پیدا کرتے ہیں۔

صحیحین میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک قبرستان کے پاس سے گزرے اور دو قبروں کو دیکھ کر فرمایا ان میں سے ایک پر اس لئے عذاب ہو رہا ہے کہ یہ چغلی کھاتا پھرتا تھا۔ دوسرے کے بارے میں فرمایا کہ یہ پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ مَا الْعُضَّةُ هِيَ النَّمِيْمَةُ الْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ۔

کیا میں تم کو بتاؤں کہ عضہ کیا ہے؟ وہ چغل خوری ہے جو لوگوں کے درمیان بیان کی جاتی ہے۔

عُضہ کے معنی تفریق اور جادو کے ہیں۔ اگر یہاں معنی تفریق کے لئے جائیں تو یہ صاف واضح ہے کہ دو شخصوں کے درمیان تفریق ڈالنا چغل خوری کی حقیقت میں شامل ہے۔ اگر یہاں معنی جادو کے لئے جائیں تو بھی چغل خوری اور جادو میں مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہاروت و ماروت کے بارے میں قرآن پاک نے فرمایا کہ لوگ ان سے ایسی باتیں سیکھتے تھے جن کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیں۔

دو مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالنا اور ان کو آپس میں لڑانا بہت بڑا جرم ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چغل خور بہشت میں نہیں جائے گا۔

ابوداؤد کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب میں سے کوئی مجھ تک کسی کی بات نہ پہنچائے کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس آؤں تو میرا دل صاف ہو۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے تک بات بڑھا چڑھا کر اور خوب مرچ مسالہ لگا کر پہنچاتے ہیں۔ اسی لئے عربی زبان میں چغل خوروں کو وشایہ بھی کہتے ہیں جس کے معنی نقش و نگار کے ہیں۔ چغل خور شخص صرف ایک گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ چغل خوری کے ساتھ ساتھ اس میں غیبت۔ بہتان۔ تجسس۔ کذب و نفاق اور دوسری کئی قسم کی بداخلاقیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

آج چغل خوری ہمارے معاشرے میں اس قدر عام ہے کہ چغل خوری کو ذرا بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے۔ ساس بہو کا جھگڑا ہو یا دو پڑوسیوں کی لڑائی۔ آپ اس کے محرکات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ پس پردہ چغل خوری کارفرما ہے۔ بڑی بڑی گہری دوستیاں اس

اس چغلخوری کی وجہ سے دشمنی میں بدل جاتی ہیں۔ باپ بیٹے سے بدگمان ہو جاتا ہے اور بھائی بھائی کا دشمن ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک نے چغل خوروں کی فتنہ پردازی سے بچنے کے لئے فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (حجرات)

اے ایمان والو! اگر کوئی گناہ گار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں کسی قوم پر نادانی سے جا نہ پڑو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو جاؤ۔

اگر قرآن پاک کی اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنے خلاف کسی خبر کے پہنچنے پر تحقیق کر لیں تو یقیناً ہم فتنہ وفساد سے بچ سکتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ کسی شخص سے منسوب کر کے غلط بات بتا دیتے ہیں۔ اگر اس کی تحقیق کر لی جائے تو بدگمانی پیدا ہونے کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بات سننے والے کو بھی چاہیئے کہ جائز ضرورت کے بغیر وہ بات دوسرے تک نہ پہنچائے۔ اس کی یہ ذراسی بات بہت بڑے شر و فساد سے دوسروں کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔

بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ کسی صاحب کے مقرب بننے کیلئے اس کے مخالفوں کی باتیں بڑھا چڑھا کر سناتے ہیں اور پھر اپنی طرف سے صاحب کی صفائی میں ان مخالفوں کو جواب دینے کے قصے بھی سناتے ہیں۔ ایسے اشخاص سخت ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔ قرآن پاک نے ایسے لوگوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر ایسے لوگوں کو اپنے ہاں پذیرائی نہ بخشی جائے۔ ان پر اعتبار نہ کیا جائے اور ان کی باتوں پر کان نہ دھرے جائیں تو یقیناً ہمارے معاشرے سے فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

گالی اور فحش گوئی

ہماری اخلاقی برائیوں میں گالی گلوچ اور فحش گوئی عروج پر ہے۔ اکثر و بیشتر لوگوں کی

زبان پر گالی رہتی ہے۔ بعض بظاہر بڑے متین اور سنجیدہ قسم کے لوگوں کو بھی گالی دیتے دیکھا جاتا ہے۔ ماں باپ اولاد کو گالیاں دیتے ہیں۔ استاد شاگردوں کو گالیوں سے نوازتا ہے۔ دوست اپنے دوست کی گالیوں سے ضیافت کرتا۔ یہاں تک کہ قوم کے لیڈر اسٹیجوں پر اکثر مشقِ دشنام طرازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرے کے علمبرداروں کی یہ حالت ہے۔

اسلام نے گالی کو کسی صورت بھی جائز قرار نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے۔

عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی اپنے ماں باپ کو کس طرح گالی دے سکتا ہے؟ فرمایا۔ اس طرح کہ جب کوئی کسی کے ماں باپ کو برا کہے گا تو وہ بھی اس کے ماں باپ کو برا کہے گا۔ (بخاری)

ایک اور مقام پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے برا وہ شخص ہوگا جس کی بدزبانی کے خوف سے لوگ اس کو چھوڑ دیں (بخاری)

گالی گلوچ اور بدزبانی سے فتنہ وفساد کی آگ بھڑکتی ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو گالی دی۔ اس نے جواب میں اس کو گالی دی۔ اس نے اس کے ماں باپ کو گالی دی۔ جواباً اس نے اس کے ماں باپ کو برا بھلا کہا۔ یعنی بات لڑائی جھگڑے تک جا پہنچی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں (مسلم) ایک اور مقام پر فرمایا۔

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ

مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کے ساتھ لڑنا کفر — گالی چونکہ لڑائی کا ذریعہ بنتی ہے اس لئے اس سے ہر صورت میں بچنا چاہیئے۔

یہ اسلامی معاشرہ کے خصوصیات میں ہے کہ کوئی شخص بھی بداخلاقی میں مبتلا نہ رہے اور

وہ اسلامی تعلیمات کے تحت زندگی گزارتے ہوئے گالی گلوچ۔ بدزبانی اور فحش گوئی سے اجتناب کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمان کی شان یہ بیان فرمائی ہے۔

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ۔

جو شخص مسلمان ہے وہ طعنہ و تشنیع نہیں کرتا۔ بدزبانی و فحش کلامی نہیں کرتا اور لعنت نہیں بھیجتا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدزبانی اور فحش گوئی کو منافق کی علامت بتایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ حیا اور لحاظ کے ساتھ بات کرنا ایمان کی دو شاخیں ہیں اور فحش کلامی و بدزبانی اور بے دھڑک بات کر دینا نفاق کی دو شاخیں ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آپس میں گالی گلوچ دیتے ہیں وہ دونوں شیطان ہیں۔ آپس میں جھوٹ بولتے اور بے ہودہ بکتے ہیں۔ فرمایا کہ جب وہ شخص ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں تو گناہ پہل کرنے والے کو ہوتا ہے جب تک دوسرا زیادتی نہ کرے یعنی جب دوسرا بھی جواب دینے لگتا ہے تو پھر دونوں کا گناہ برابر ہو جاتا ہے۔

گالی صرف انسانوں کو دینا ہی بُرا نہیں بلکہ جانوروں اور بے جان چیزوں کو گالی دینا بھی جائز نہیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر ہوا تیز چلنے لگے تو ہوا کو گالی دینے لگتے ہیں کسی کا کوئی اوزار کام نہ دے رہا ہو تو اوزار کو گالی بکنے لگتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے، کوچوان گھوڑے یا بیل کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہ سب کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ اسلام نے بے جان اور بے عقل چیزوں کو گالیاں دینے سے منع فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کی چادر ہوا سے اِدھر اُدھر ہونے لگی۔ اس نے ہوا پر لعنت بھیجی۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اس پر لعنت نہ بھیجو یہ تو خدا کے حکم سے چلتی ہے (ابوداؤد) ایک سفر میں ایک عورت نے اپنی اونٹنی کو گالی دی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس اونٹنی کو اس عورت سے الگ کر دیا تاکہ وہ اس کو گالی نہ دے (ابوداؤد)

گالی صرف یہی نہیں کہ ماں بہن کی گالی دے دی جائے بلکہ ہر وہ بات جس سے کسی کی دل آزاری ہو یا عزتِ نفس پر حرف آتا ہو، گالی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو فاسق و کافر نہ کہے کیونکہ اگر وہ فاسق و کافر نہ ہو گا تو یہ تہمت خود کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گی (بخاری) اسی طرح کسی کے نسب میں عیب لگانا بھی گالی ہے۔

اسلام نے جان و مال کی طرح ہر مسلمان کے عزت و آبرو کی حفاظت کا سامان بھی کیا ہے لیکن افسوس کہ ہم اسلامی تعلیمات کے برعکس اپنے مسلمان بھائیوں کی عزت و آبرو کے درپے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم خود بھی بدکلامی اور گالی گلوچ سے بچیں اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کریں۔ خصوصاً والدین کو چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کی اس انداز میں تربیت کریں کہ بچے فحش کلامی سے محفوظ رہیں۔ عام طور پر والدین بچوں کے سامنے گالیاں دیتے ہیں بلکہ بچوں کو بھی گالیاں دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے بھی گالیاں سیکھ جاتے ہیں اور گالی دینا ان کے نزدیک کوئی بری بات نہیں رہتا۔ اسی طرح اساتذہ جو بچوں کی تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان کو بھی چاہیئے کہ بچوں کو گالیاں نہ دیں بلکہ ان کو گالی گلوچ دینے سے باز رکھنے کے لئے ان کے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کریں۔

خوشامد

ہماری اخلاقی برائیوں میں سے خوشامد بھی عام ہے بلکہ اس دور میں خوشامد ہی کامیابی وکامرانی کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔ ہر چھوٹا اپنے بڑے کو راضی رکھنے کے لئے اس کی خوشامد کرتا ہے۔ ماتحت اپنے افسر کی خوشامد کرتا ہے اگر کسی شخص سے کسی دوسرے شخص کو کوئی مطلب ہوتا ہے تو وہ پہلے اس کی جھوٹی سچی تعریفیں کرتا ہے اور پھر اپنا مطلب پیش کرتا ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ خوشامد کس قدر بری چیز ہے۔

قرآن پاک نے یہودیوں اور منافقوں کے ایک گروہ کا اس انداز میں ذکر فرمایا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران)

ہرگز نہ سمجھنا انھیں جو خوش ہوتے ہیں۔ اپنے کئے پہ اور چاہتے ہیں بے کئے ان کی تعریف ہو۔ ایسوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ جاننا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (کنزالایمان)

قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ میں جہاں یہودیوں اور منافقوں کا ذکر ہے وہاں خود پسندی کرنے والے اور اپنی جھوٹی تعریف چاہنے والے اور بغیر علم اپنے آپ کو عالم کہلوانے والے مسلمانوں کے لئے بھی وعید ہے۔ اس آیت پاک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کارناموں پہ اترانا اور اپنے بن کئے کارناموں پر اپنی تعریف چاہنا اور جو وصف اپنے اندر موجود نہیں وہ وصف خود میں ظاہر کر کے لوگوں سے اس کی تعریف کرانا بہت بڑا گناہ ہے۔

خوشامد کرنے والا شخص تین قسم کے گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ ایسی تعریف کرتا ہے جو، واقعہ کے مطابق نہیں۔ یہ جھوٹ ہے۔ دوسرا یہ کہ جو خود بیان کر رہا ہوتا ہے دل میں اس کو درست نہیں سمجھتا۔ یہ نفاق ہے۔ تیسرا یہ کہ اپنے مفاد کے لئے خوشامدانہ تعریفیں

کر کے لوگوں کی نظروں میں خود کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

جھوٹی تعریف سے جہاں خود جھوٹی تعریف کرنے والا گناہ کا مرتکب ہوتا ہے وہاں وہ ممدوح کو بھی غرور و تکبر میں مبتلا کرنے اور اسے اپنی نسبت غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اکثر ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک شخص میں ایک وصف موجود نہیں ہوتا لیکن خوشامدی اس میں وہ وصف ظاہر کر کے اس کی اتنی تعریفیں کرتے ہیں کہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ واقعی اس میں وہ وصف موجود ہے جس کا نتیجہ اس کی ذلت و رسوائی نکلتا ہے مثلاً ایک شخص میں حاضر جوابی کا وصف نہیں لیکن خوشامدیوں نے اس کو خوشامد کے ذریعہ یہ یقین دلادیا کہ وہ بڑا حاضر جواب ہے اور اس کی حاضر جوابی میں دانشمندی بھی ہوتی ہے۔ اب اہل علم کی محفل میں وہ اس یقین کے ساتھ اپنی حاضر جوابی کا مظاہرہ کرتا ہے کہ وہ فی الواقع حاضر جواب ہے لیکن اس کی حاضر جوابی حماقت پر مبنی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بھری محفل میں اس کا مذاق بن جاتا ہے۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوشامد سے منع فرمایا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے دوسرے شخص کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا۔ خرابی ہو تیرے لئے تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ ڈالی۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کی اس کے منہ پر تعریف کرنے سے وہ غرور و تکبر میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ دونوں باتیں اسے عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب بنیں گی۔

تاریخ کے اوراق ہمیں بتاتے ہیں کہ بڑی بڑی سلطنتوں کے مالک محض اپنی خوشامد پسندی کی وجہ سے نہ صرف خود تباہ و برباد ہو گئے بلکہ اپنی سلطنتوں کی تباہی و بربادی کا باعث بھی بنے۔ عام طور پر دیکھا گیا کہ لوگ بادشاہوں۔ امیروں۔ دولت مندوں اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز لوگوں کی خوشامد کر کے ان کو مضحکہ خیز برائیوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

آج جب ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں تو ہر شعبۂ زندگی میں "خوشامد" جلوہ گر نظر آتی ہے خصوصاً سیاست کے میدان میں تو خوشامد اپنی پوری فتنہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ سیاسی

لیڈروں کی جس انداز میں خوشامد کی جاتی ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ مذہبی جلسوں میں بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی مقرر کے نام کا اعلان کرتے وقت اسے دنیا کا سب سے بڑا عالم۔ فاضل منطقی فلاسفر اور مقرر ظاہر کیا جاتا ہے۔ معمولی علم رکھنے والوں کو پتہ نہیں کیا کیا کچھ ظاہر کر کے اسٹیج پر لایا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن سے ہمارے معاشرے میں کئی قسم کی برائیاں پیدا ہو چکی ہیں۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خوشامد کرنے والے تو اپنا مفاد حاصل کرنے کے لئے خوشامد کرتے ہی ہیں لیکن اکثر حضرات خود بھی اپنی خوشامد کرانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ بے علم یہ چاہتا ہے کہ اسے عالم کہا جائے اور جاہل کی تمنا ہوتی ہے کہ لوگ اسے بہت بڑا اسکالر سمجھیں۔ یہ دراصل خود بینی و خود نمائی بھی ہے اور خود فریبی بھی۔ ایسے لوگوں کے کمالات و اوصاف کا جلد ہی بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ دنیا میں بھی انھیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور آخرت میں بھی ان کے حصے میں عذاب آتا ہے۔

انگریزی کی ایک کتاب میں بھی ایک بادشاہ کے بارے میں پڑھا تھا کہ وہ بڑا خوشامد پسند تھا۔ ایک مرتبہ اس کے پاس دو رنگ ساز آئے اور کہا کہ ہم رنگ سازی کے ذریعے بادشاہ کا لباس تیار کریں گے۔ بادشاہ نے ان کو رنگوں کا لباس تیار کرنے کی اجازت دے دی۔ دونوں رنگ ساز بادشاہ کو بند کمرے میں لے گئے اور اس کا لباس اتروا کر اس کے جسم پر رنگ کرنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد بادشاہ سے کہنے لگے کہ حضور والا لباس تیار ہے۔ آپ اپنے وزراء کو بلا کر پوچھ لیجئے کہ یہ لباس آپ کے جسم پر کس قدر اچھا لگ رہا ہے۔ بادشاہ نے اپنے وزیروں، مشیروں اور درباریوں کو بلایا اور لباس کے بارے میں پوچھا۔ سب نے یہ جاننے کے باوجود کہ بادشاہ ننگا ہے اور اس کے جسم پر رنگ کر دیا گیا ہے۔ خوشامدانہ طور پر کہا کہ لباس بڑا عمدہ ہے اور اس لباس میں بادشاہ سلامت بہت سج رہے ہیں۔ بعض نے تجویز پیش کی کہ بادشاہ سلامت کے لباس کی نمائش کے لئے جلوس نکالا جائے۔ چنانچہ ان خوشامدی

وزیروں، مشیریوں اور درباریوں نے بادشاہ کا جوس نکلا' بادشاہ ننگا بازاروں سے گزر رہا تھا اور اس خود فریبی میں بتلا تھا کہ اس کے جسم پر بہترین لباس ہے۔ شہریوں نے بھی بادشاہ کو دیکھ کر تالیاں بجائی۔ اور بادشاہ کے لباس کی تعریف میں نعرے بلند کئے۔ اچانک ایک چھوٹا سا بچہ سامنے آگیا۔ اس نے بادشاہ کو جو دیکھا تو شور کرنے لگا۔ بادشاہ سلامت ننگے، بادشاہ سلامت ننگے۔ اب بادشاہ کو اپنے ننگا ہونے کا احساس ہوا۔ اس وقت اس کی جو حالت ہوئی ہوگی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خوشامد اور خوشامد پسندی کس طرح انسان کو ننگا کر کے ذلیل و رسوا کردیتی ہے۔

شعر و شاعری

زبان نوعِ انسانی کا بہت بڑا امتیاز اور اظہارِ مدعا کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ انسانوں نے اظہارِ مُدعا کے لئے جو دو انداز اختیار کئے ہیں۔ ان میں سے ایک انداز نثر کہلاتا ہے اور دوسرا شعر۔ ہم روزمرّہ جس انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس کو نثر کہا جاتا ہے اور جب الفاظ کو ایک خاص ترتیب میں ڈھال لیا جاتا ہے تو وہ شعر کہلاتا ہے۔

شعر اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ اگر شعروں میں اچھی باتیں ہوں گی تو شعر اچھے کہلائیں گے اور شعروں میں بُری باتیں ہونگی تو شعروں کو بُرا کہا جائے گا۔

اگر شعروں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، محبوبِ خُدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے مناقب اور بزرگانِ دین کی مدح ہو تو یہ شعر پسندیدہ اور محمود ہوں گے اور ایسے اشعار کہنے والے کو اجر و ثواب بھی ملے گا۔ لیکن اگر شعروں میں مبالغہ آرائی۔ دروغ گوئی۔ اور شعر خلافِ شرع ہوں گے تو ایسے اشعار باعث عذاب بنیں گے۔

شعرا کے بارے میں ایک مقولہ مشہور ہے کہ:

یَجُوزُ لِلشَّاعِرِ مَا لَا یَجُوزُ لِغَیرِہٖ۔

یعنی جو بات دوسروں کے لئے ناجائز ہوتی ہے وہ شاعروں کے لئے جائز۔ حالانکہ یہ مقولہ خلافِ حقیقت ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو بات خلافِ شرع ہے۔ وہ اگر نثر میں بھی کہی جائے تو بھی ناجائز ہے اور اگر شعر میں کہی جائے تب بھی ناجائز۔ کسی بات کا جائز و ناجائز ہونا نثر و شعر پر منحصر نہیں بلکہ اس کا دار و مدار شریعت پر ہے۔ شریعت نے کذب و باطل۔ فحش گوئی و بد کلامی۔ اور بے جا مبالغہ آرائی کی ہر حالت میں مذمت کی ہے لیکن بعض شعرا یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ باتیں شعروں میں کہی جائیں تو جائز ہیں۔ ایسا سمجھنا محض جہالت ہے۔

شاعر عام طور پر تخیلات کی بلندیوں میں اڑتا اور تصورات کی حسین وادیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ اس کا اپنا کوئی نصب العین نہیں ہوتا۔ وہ کبھی کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ۔ کبھی تو رستمِ زماں بنتا ہے اور کبھی اتنا لاغر کہ سایۂ دیوارِ یار سے اٹھنے کی سکت اس میں نہیں ہوتی۔ کبھی کوہِ بے ستون سے دودھ کی نہریں بہا کر لاتا ہے اور کبھی اس پر بارِ نفس بھی گراں ہوتا ہے۔ قرآن پاک اس قسم کے شاعروں کے بارے میں فرماتا ہے۔

فِی کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ۔

یعنی وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ ہر طرح کی جھوٹی باتیں بناتے ہیں اور ہر لغو و باطل میں سخن آرائی کرتے ہیں۔ جھوٹی مدح کرتے ہیں اور جھوٹی ہجو کرتے ہیں۔ جو مضمون پکڑ لیا اس کو بڑھاتے چلے گئے۔ کسی کی مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دئے۔ اور تعریف کی تو اسے آسمان پر چڑھا دیا۔ موجود کو معدوم کر دکھایا اور معدوم کو موجود کر دکھانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ عرب شاعروں کا یہی کمال ہوتا تھا۔ اور اس کمال کی وجہ سے لوگ ان کو آسمان کی باتیں بتانے والے اور غیب دان خیال کرتے تھے۔

چنانچہ جب پیغمبر علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے کفارِ قریش نے خدا کا کلام سنا تو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں اور جو وہ فرماتے ہیں یعنی قرآن پاک وہ شعر ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ معاذ اللہ یہ کلام کاذب ہے جیسا کہ قرآن کریم نے ان کا مقولہ نقل فرمایا کہ بَلِ افْتَرٰہُ بَلْ ھُوَ شَاعِرٌ اللہ تعالےٰ نے کفار قریش کے اس بیان کا رد فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَہٗ

یعنی ہم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ السلام کو ایسی باطل گوئی کا ملکہ ہی نہیں دیا۔ اور یہ کتاب اشعار یعنی اکاذیب پر مشتمل نہیں۔ یہاں سے کلام کاذب مراد ہے۔ خواہ موزوں ہو یا غیر موزوں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علوم اولین و آخرین تعلیم فرمائے گئے جس سے کشفِ حقائق ہوتا ہے اور آپ کی معلومات واقعی اور نفی الامری ہیں کذب شعری نہیں جو حقیقت میں جہل ہے۔ آپ کا دامنِ تقدس اس سے پاک ہے۔ آپ کی جو بات ہے سچی ہے جو بات زبانِ مبارک پر ہے اسی کی بات کے عمل میں جلوے نظر آتے ہیں۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کو علم شعر حاصل تھا۔ آپ قواعد و مصطلحات شعری سے واقف تھے بلکہ کئی مواقع پر آپ نے دوسروں کے اشعار میں ترمیم اور رد و بدل فرما کر ان کی اصلاح بھی فرمائی۔

بہر حال شاعری کی باتیں محض تخلیات ہوتی ہیں۔ تحقیق سے ان کو لگاؤ نہیں ہوتا۔ وقتی دل لگی اور واہ واہ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ شاعر جو کچھ زبان سے کہتے ہیں۔ عام طور پر ان کا اس پر عمل نہیں ہوتا۔ اسی لئے قرآن پاک نے ایسے شعرا کے بارے میں ارشاد فرمایا وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ یہ کچھ زبانوں سے کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔

اسلام نے اس قسم کی شاعری کو قطعاً پسند نہیں کیا بلکہ اسلام نثر

ہو یا نظم ہر صورت میں حق پرستی و حق پسندی کے اظہار کو پسند کرتا ہے، اسلام شعر کے بارے میں اس مقولے کی تکذیب کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ — اَکْذَبُہٗ اَحْسَنُہٗ۔ اسلام کے نزدیک صرف وہی شاعری محمود ہے جو حمد و ثنا کبریا جل جلالہٗ اور نعتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہو، جس میں پند و نصائح موجود ہوں اور جس میں اسلام کی صداقت کا اظہار ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اشعار کی تحسین فرمائی ہے اور اچھے اشعار پر پسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا۔ یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سرے سے کسی قسم کے شعر کو پسند ہی نہیں فرمایا غلط ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی زبان سے اپنی شان میں جب یہ قصیدہ سنا تو اپنی چادر مبارک حضرت کعب کو عنایت فرمادی۔

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی — والعفو عند رسول اللہ ماموں

ان الرسول لنور یستضاء بہ — مھند من سیوف اللہ مسلول

حضور علیہ السلام نے حضرت حسان سے خود اشعار سنے۔ بخاری شریف میں ہے کہ مسجدِ نبوی میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے منبر بچھایا جاتا۔ وہ اس پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مفاخر پڑھتے اور کفار کی بدگوئیوں کا جواب دیتے۔ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرماتے۔ اللھم ایدہ بروح القدس۔ حضرت حسان کے یہ اشعار آج بھی اہلِ ایمان کی زبانوں پر جاری رہتے ہیں۔

ھجوت محمدًا فاجبتُ عنہ
وعند اللہ فی ذاک الجزاءُ
واجمل منک لم ترقط عینی
واکمل منک لم تلدِ النساءُ

مسجد قبا کی تعمیر کے وقت حضرت عبد اللہ بن رواحہ جو شاعر بھی تھے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے، یہ اشعار پڑھتے۔

افلح من یعالج المساجدا | ویقرأ القرآن قائما و قاعدا

ولا یبیت اللیل عنہ راقدا

ان اشعار کو دوسرے مسلمان بھی مل کر دہراتے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے۔ (وفاالرضا)

مسجدِ نبوی کی تعمیر کے وقت بھی صحابۂ کرام مل کر یہ شعر پڑھتے۔

اللھم لاخیر الا خیر الاخرۃ | فاغفر الانصار والمھاجرہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اپنے دوسرے غلاموں کی آواز کے ساتھ آواز ملا کے یہ شعر دہراتے تھے۔

ان تفصیلات کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اچھے اشعار کہنے اور سننے پر شرعاً کوئی پابندی نہیں اور اچھے اشعار بیرونِ مسجد پڑھے جائیں یا مسجد میں، ان کا پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ باعث اجر وثواب بھی ہے۔ لیکن ایسے اشعار جن میں خلافِ شرع باتیں موجود ہوں کسی حالت میں بھی کہنا۔ پڑھنا اور سننا جائز نہیں۔

بعض شعراء طبیعت کی جولانیاں اس انداز میں دکھاتے ہیں کہ بارگاہِ ذاتِ خداوندی تک میں گستاخیاں کر جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شاعر کا شعر دیکھیے اور ملاحظہ فرمائیے کس دیدہ دہنی کے ساتھ اس نے ذاتِ خداوندی کو تخلیقِ کائنات کا مجرم قرار دیا ہے۔ کہتا ہے۔

تخلیقِ کائنات کے دلچسپ جُرم پر
ہنستا تو ہوگا آپ بھی یزداں کبھی کبھی

آج کل کے نام نہاد ترقی پسند شاعر نے تو اسلام اور شعائرِ اسلام کا مذاق اڑانا اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ پچھلے دنوں ایک شاعر نے بڑی بے باکی کے ساتھ یہ شعر پڑھا اور کتب

سماوی کا مذاق اڑایا کہ

اب رسولوں کی کتابیں طاق پر رکھ دو فراز
نفرتوں کے یہ صحیفے عمر بھر دیکھے گا کون!

اس قسم کے شاعر تو ہیں ہی مذہب ناآشنا لیکن اس وقت زیادہ دکھ ہوتا ہے جب نعتیہ کلام میں بھی ایسی باتیں نظر آتی ہیں جو شانِ الوہیت کے لائق نہیں ہوتیں۔ مثلاً نعتیہ قوالی کے ابتدائی بول کا ایک مصرعہ ہے

صدمۂ ھجر خُدا سے بھی گوارا نہ ہوا

صدمہ ایک کیفیت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کیفیات سے پاک ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ذات میں کسی کیفیت یا انسانی ذات میں سے کسی صفت کا ماننا کفر ہے مثلاً سونا جاگنا کھانا پینا سرور میں آنا بے قرار ہونا وغیرہ سب انسانی صفات ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام کیفیات سے پاک ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے کئی شعرا اس قسم کے شعر کہہ جاتے ہیں جن میں اللہ تعالےٰ کے بارے میں اس قسم کی کیفیات کا اظہار کیا جاتا ہے مثلاً

محمدؐ کو بنا کر خُدا کو سرور آ گیا (مفہوم)

یا

اللہ بھی ہوا جاتا ہے قربانِ محمدؐ

پچھلے دنوں ایک نعت خوان نے نعت پڑھی جس کے ایک مصرعہ میں تھا کہ خُدا کو غرور آ گیا (استغفراللہ)

معلوم نہیں یہ نعت گو کے الفاظ تھے یا نعت خوان نے اپنی طرف سے اس قسم کا تصرف کر دیا تھا بہر حال اس قسم کے الفاظ اللہ تعالےٰ کے بارے میں کہنا کفر ہے۔

ایک اور نادان شاعر کا شعر دیکھئے اور غور فرمائیے کہ ایسا شعر باعث ثواب ہے یا وجہ عذاب۔

محمدؐ کو زمیں پر بھیج کر دل لگ نہ سکتا تھا
خدا نے پاس اپنے رکھ لیا سایہ محمدؐ کا

تمام اصناف سخن میں نعت ایک دشوار ترین صنف سخن ہے لیکن یہ صنف سخن جتنی دشوار ہے اتنا ہی آسان سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ درست ہے کہ حمد و نعت ایک پسندیدہ صنف سخن ہے اور اس سے اہل ایمان کی آخرت سنورتی ہے لیکن یہ وہ میدان ہے کہ جس میں عرفی جیسے باکمال شاعر کو بھی کہنا پڑتا ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ برم تیغ است قدم را

اس صدی کے مجدد برحق مولانا امام شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ جنہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ بڑے بڑے نقادین فن نے جن کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف کیا ہے وہ بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

"حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے" الملفوظ جلد ۲ صہ ۴۸

حقیقت بھی یہی ہے کہ نعت گوئی کے میدان میں اترتے ہوئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے یہاں محبت کی دیوانگی اور شوق کی وارفتگی بھی حد احتیاط سے آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ اگر قدم دائرہ ادب سے بال برابر بھی باہر ہو جائیں تو ایمان خطرے میں پڑتا ہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے تو محبوب خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو مکھڑا کہنے سے بھی منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ لفظ مکھڑا اسم تصغیر ہے۔ جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہیں۔

ایک مرتبہ ایک بلند پایہ شاعر اطہر ہاپوڑی کی ایک نعت مجدد مائۃ حاضرہ کی خدمت میں

پیش کی گئی۔

گب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمہ لیلیٰ کے سامنے

اعلیحضرت قدس سرہ العزیز نے مطلع پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور کو لیلیٰ اور گنبد خضریٰ کو خیمہ لیلیٰ سے تشبیہہ دینا مقام نبوت سے فروتر تشبیہہ ہے۔ آپ نے قلم برداشتہ دوسرے مصرع کو بدل دیا اور مطلع یوں ہو گیا۔

گب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

نعت گوئی میں جتنی احتیاط کی ضرورت ہے افسوس کہ اکثر نعت گو شعرا اس کا خیال نہیں کرتے۔ محبت میں بڑھتے ہیں تو احد کو احمد بنا دیتے ہیں — کہیں میم کے پردے میں خدا کا چھپا ہونا بتاتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کہنا قرآن کے تصورِ محبت کے بالکل برعکس ہے۔ یہ غلط تصورِ محبت تو یہود و نصاریٰ کا ہے کہ انہوں نے جوشِ محبت میں حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کے بیٹے کہہ دیا۔ اس قسم کی محبت کی اسلام میں اجازت نہیں۔

مسلمان شاعر کا ایمان تو یہ ہے۔

کہ تم ذاتِ خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو
اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانیے کیا ہو

(مولانا حسن رضا بریلوی)

مسلمان کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ خدا سمجھتا ہے نہ خدا کا بیٹا اور نہ خدا کا شریک اور نہ ہی اپنے جیسا بشر۔ ایمان والوں کے عقیدہ مقامِ نبوت کی جھلک مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہ العزیز کی اس رباعی میں صاف نظر آتی ہے۔

فرماتے ہیں!

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اکثر شعرا اپنے شعروں میں مدینہ طیبہ کے لئے لفظ یثرب استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے کی ممانعت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے یقیناً یثرب یثرب ہی تھا لیکن آپ نے تشریف لا کر اُسے طابہ طیبہ اور طیبہ بنا دیا۔

مجمع البحار ص ۴۹۹ جلد ۳ میں ہے!

یثرب اسم مدینۃ المشرفۃ قدیمۃ فغیرھا وسماھا طیبۃ وطابۃ

مزید فرمایا!

فاذا ھی المدینۃ یثرب اسمھا الجاھلی فسماہ اللہ المدینۃ والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طیبۃ ونھی عنہ

ایمان والوں نے اسکو مدینۃ النبی کہنا شروع کیا۔ اہل نفاق یثرب ہی کہتے رہے چنانچہ قرآن پاک نے بھی فرمایا ہے کہ منافقین نے یٰاَھْلَ یَثْرِبَ کہہ کر اہل مدینہ کو آواز دی حدیث شریف میں مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت آئی۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ناگوار تھا کہ مدینہ پاک کو یثرب کہا جائے کیونکہ یثرب کے معنی اچھے نہیں ہیں۔ حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اشعۃ اللمعات جلد سوم اور جذب القلوب میں فرماتے ہیں کہ :-

تاریخ بخاری میں حدیث مروی ہے کہ جس نے مدینہ کو ایک بار یثرب کہا وہ اسکی

تلافی و تدارک کے لئے دس بار مدینہ کہے اور امام احمد۔ ابو یعلی نے روایت کیا کہ جو مدینہ کو یثرب کہے اُسے چاہیئے کہ وہ استغفار کرے۔ مدینہ یثرب نہیں طابہ ہے اس قسم کی دیگر روایات بھی ہیں۔

مسلمانوں کو مدینہ شریف کو یثرب ہرگز نہیں کہنا چاہیئے۔ پھر یثرب اور طیبہ وطیبا کا وزن بھی ایک ہی ہے کوئی ایسی مجبوری بھی نہیں پیش آسکتی کہ ضرورت شعری کے تحت طیبہ وطیبا کو یثرب کہا جائے۔ بہر صورت شعرا کو اس بات کا خصوصاً لحاظ رکھنا چاہیئے کہ خلاف شرع الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔

مسلمان شاعر کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں غیر شرعی باتوں سے بچتا ہے جھوٹ خوشامد، غیبت، گالی، بے جا مبالغہ آرائی اور غلط بیانی سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیئے شعروں میں بھی اس قسم کی باتوں سے بچنا ضروری ہے۔ یہ تمام باتیں شاعری میں جائز نہیں ہو جاتیں۔ اس قسم کی باتیں کرنے والے شعرا کو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے شیطان فرمایا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ یعنی ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مقام عرج میں تھے کہ ایک شاعر شعر پڑھتے ہوئے نظر آیا۔ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا اس شیطان کو پکڑو (مسلم)

ایک اور مقام پر رسولِ خُدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بے شک تُم سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے اور وہ اسکو تباہ کر دے بہتر ہے اس بات سے اس کا پیٹ بھرے شعر سے۔ (صحیحین)

ایسے ہی شاعروں کے بارے میں حالی نے کہا ہے۔

جہنّم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

بدکاری اور اس کا انسداد

ابتدائے مضمون میں جو حدیث پیش کی گئی ہے اس میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو جنت کی ضمانت دی ہے جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ مبارک دنیا و آخرت میں بہتری اور بھلائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہاں شرمگاہ کی حفاظت سے مراد جنسی خواہشات کو دبانا اور زنا و بدکاری سے بچنا ہے۔

اسلام نے نہ صرف زنا و بدکاری سے بچنے کا حکم دیا ہے بلکہ مبادیٔ زنا سے بھی بچنے کی ہدایات دی ہیں اور ان تمام راستوں کو بند کر دیا ہے جن سے زنا کا ارتکاب ہو سکتا ہے چنانچہ قرآنِ پاک نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا۔

(بنی اسرائیل)

اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بیشک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بُری راہ

یہاں کی جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے یہ نہیں فرمایا کہ بدکاری نہ کرو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اس طرزِ ادا نے نہ صرف بدکاری سے بچنے کی تاکید کی ہے بلکہ بدکاری کے اسباب و محرکات سے بھی دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً عورتوں کی بے پردگی۔ دیدہ بازی و بدنگاہی۔ تنہائی میں غیر محرم مرد و عورت کا ملنا۔ بے وجہ اجنبی مرد و عورت کا ایک دوسرے کو چھونا۔ ایک دوسرے کی بات سے لطف اٹھانا۔ یہ تمام ایسی باتیں ہیں جو زنا کا محرک بن سکتی ہیں۔ اسی لئے اسلام نے ان تمام باتوں پر پابندی لگا دی ہے اور اس طرح حفاظتی و انسدادی تدابیر کے طور پر

بدکاری کے تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیئے ہیں۔

بدنظری بدکاری کی پہلی سیڑھی ہے اس سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے اور شہوانی جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ قرآن پاک نے فتنہ کا سدباب کرنے کیلئے ابتدا ہی میں نظربازی پر پابندی لگادی ہے۔ اور ارشاد فرمایا۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔ (النور)

مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ بے شک اللہ کو اُنکے کاموں کی خبر ہے۔

یہاں نگاہوں کو نیچا رکھنے کی پابندی کے ساتھ شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم بھی فرمادیا اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کردیا کہ نگاہوں کا جھکانا اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا تمہارے لئے بہتری اور ستھرائی کا سبب ہے۔ اس کے باعث تم ناپاک افعال اور شدید گناہوں سے محفوظ رہوگے۔ اور اگر تم نے اپنی نظر یا شرمگاہ کی حفاظت کے معاملہ میں خیانت کی تو یاد رکھو اللہ تعالے کو تمام حرکتوں کا علم اور سب کاموں کی خبر ہے۔

اگر نظر نیچی رکھنے کی عادت ڈال لی جائے تو اختیار و ارادہ سے بری چیزوں پر نظر نہ ڈالی جائے تو بہت جلد ایسا وقت آجاتا ہے کہ انسان کے نفس کا تزکیہ ہوجاتا ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑجائے تو وہ معاف ہے لیکن اگر دوبارہ اس پر نظر ڈالے گا تو یہ نظر ڈالنا اس کے اختیار و ارادہ سے ہوگا جو گناہ کا باعث بنے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص کسی عورت کے محاسن پر نظر ڈالے گا قیامت کے
دن اس کی آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

نظر نیچی رکھنے کا حکم صرف مردوں ہی کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کو بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنے اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ
فُرُوْجَهُنَّ (النور)

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی
کی حفاظت کریں۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ صرف مردوں کو یہ حکم ہے کہ اجنبی عورتوں کو نہ دیکھیں اور عورتوں کو غیر مردوں کو دیکھنے کے سلسلہ میں کوئی حکم نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسطرح عورتوں کو بے پردہ اجنبی مردوں کے سامنے ہونیکی اجازت نہیں ہے اسی طرح اجنبی مردوں کو دیکھنا بھی عورتوں کیلئے مناسب نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ام المومنین حضرت سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں کہ ایک نابینا صحابی حضرت ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا وہ تو نابینا ہیں حضور نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو۔ (ترمذی و ابوداؤد)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو اجنبی مرد کو نہیں دیکھنا چاہیئے اور اس کے سامنے ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف نگاہ نیچا رکھنے کا حکم ہے۔ لباس و پردہ کے بارے میں کوئی پابندی نہیں۔ بعض یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ پردہ ہو یا نہ ہو نیّت صاف ہونی چاہیئے لیکن اسلام نے جہاں نیّت صاف رکھنے اور نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے وہاں عورتوں کو پردہ کرنے اور خصوصاً نمایاں مقام چھپانے کا حکم بھی دیا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ (النور)

اور مسلمان عورتیں اپنی زینت نہ دکھائیں۔ مگر اوپر کے اوڑھے ہوئے کپڑے سے جتنا ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں۔

اس آیت پاک سے گریبانوں کو ڈھانپنے کا حکم دیا جا رہا ہے لیکن سورہ احزاب میں چہروں کو چھپانے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے!

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔ اس طرح یہ ہوگا کہ وہ پہچان لی جائیں گی اور انہیں ستایا نہ جائے گا۔

یہ آیت خاص چہرے کو چھپانے کے لئے ہے۔ جلابیب جمع ہے جلباب کی جس کا معنی چادر کے ہیں۔ اِدنا کے معنی ارخا یعنی لٹکانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اپنی چادریں سروں پر ڈالنے کے بعد ان کا ایک حصّہ اپنے چہروں پر بھی لٹکا لیا کریں۔

پردہ کی پابندی کے ساتھ ساتھ مسلمان عورتوں کو گھروں کے اندر پروقار طریقہ سے رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سورۂ احزاب میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ؕ

اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھی رہو اور زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔

تَبَرُّج کے دو معنی ہیں۔ ایک بناؤ سنگھار کرنا اور دوسرے ناز و ادا دکھلاتے ہوئے چلنا۔ دورِ جاہلیت میں عورتیں خوب بن سنور کر نکلتی تھیں۔ اور پھر قصداً اٹھلا اٹھلا کر چلتی تھیں۔ اسلام نے اس انداز کو ناپسند فرمایا اور اس سے منع فرمایا۔

یہاں یہ غلط فہمی پیدا نہیں ہونی چاہیئے کہ عورتوں کو کسی صورت میں بھی گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔ اسلام نے عورتوں کو حاجات و ضروریات کیلئے گھروں سے نکلنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن یہ اجازت پابندیوں کے ساتھ ہے۔ عورتوں کو اس بات کی قطعاً آزادی نہیں دی گئی کہ وہ جہاں چاہیں جاتی پھریں اور مردوں کے ساتھ گھل مل جائیں۔

اسلام نے عورتوں کو گھر کی چار دیواری کے اندر خانگی زندگی کے فرائض کی ادائیگی کو بہت اہمیت دی ہے۔ تاہم اگر گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آجائے تو شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے گھر سے نکلنے کی بھی اجازت ہے۔ بھڑکیلا لباس پہن کر۔ بناؤ سنگھار کر کے اور محاسن و زینت کی نمائش کرتے ہوئے گھر سے نکلنے کی سخت ممانعت ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ عورت کیلئے

اگر گھر سے نکلنا ناگزیر ہو تو وہ پردے کے ساتھ نکلے، سینہ تان کر نہ چلے بلکہ کندھوں کو سکیڑ کر اور کچھ جھک کر چلے تاکہ اگر عورت جوان ہے تو دیکھنے والے کو اس کے عمر رسیدہ ہونے کا گمان گزرے۔ اس طرح وہ دل کے بیمار لوگوں کی للچاتی ہوئی نگاہیں پڑنے سے محفوظ رہے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کو خوشبو لگا کر باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے آپ نے فرمایا تو تم میں سے کوئی عورت بھی مسجد میں جائے تو خوشبو نہ لگائے (ترمذی)

مزید فرمایا جو عورت عطر لگا کر مردوں کے درمیان میں سے گزرتی ہے وہ فاحشہ ہے۔ (ترمذی)

افسوس کہ اسلام نے جن باتوں کی ممانعت کی تھی وہی باتیں آج عام ہیں۔ فتنۂ عریانی عروج پر ہے۔ باریک اور شوخ لباس پہن کر عورتوں کا باہر نکلنا آج کل معمولی سی بات ہے۔ تنگ اور چست لباس پہن کر بازاروں میں عورتیں گھومتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جس کی وجہ سے معاشرہ فتنوں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ سر بازار عورتوں سے چھیڑ چھاڑ۔ راہ چلتی عورتوں کا تعاقب اور ان سے نظربازی عام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

لَعَنَ اللّٰہُ الکَاسِیَاتِ العَارِیَاتِ۔

یعنی ایسی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے جو لباس پہن کر ننگی رہتی ہیں۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

"اپنی عورتوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو جسم پر اس طرح چست ہوں کہ سارے جسم کی ہیئت نمایاں ہو۔ (المبسوط)

اسلام کی نگاہ میں وہ لباس درحقیقت لباس ہی نہیں جس میں بدن کے اعضا نمایاں ہوتے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو عورتیں لباس پہن کر بھی ننگی ہی رہتی ہیں دوسروں کو
رجھاتی ہیں اور خود بھی دوسروں پر ریجھتی ہیں۔ اور بختی
اونٹ کی طرح ناز سے گردن ٹیڑھی کر کے چلتی ہیں وہ ہرگز
جنت میں داخل نہ ہونگی۔ اور نہ ہی اس کی بو پائیں گی

(مسلم باب النساء الکاسیات العاریات)

عورتوں کے گھروں سے باہر نہ نکلنے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نماز ایک اہم فریضہ ہے اور نماز باجماعت کی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن فقہاء کے نزدیک عورت کو مسجد میں آکر نماز باجماعت ادا کرنا مناسب نہیں۔ عورت کے خلوت میں نماز ادا کرنے کو افضل قرار دیا گیا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ :۔

عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے
کمرے میں نماز پڑھے۔ اور اس کا پچھلی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے
بہتر ہے کہ کوٹھڑی میں نماز پڑھے۔

(ابوداؤد باب ماجاء فی خروج النسا الی المساجد)

مرد کا مسجد میں نماز پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ گوشہ تنہائی میں فرض نماز ادا کرے لیکن عورت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس کی گوشہ تنہائی میں ادا کی ہوئی نماز اس کے مسجد میں آکر باجماعت نماز ادا کرنے سے زیادہ افضل ہے۔

عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت بھی ملی ہے تو وہ چند شرائط کے ساتھ ہے

یعنی مسجد میں زینت کے ساتھ نہ جائیں۔ خوشبو لگا کر نہ جائیں۔ عورتیں مردوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہوں وغیرہ۔

بعض حدیثوں کے مطابق عورتوں کو ان نمازوں میں شریک ہونے کی اجازت تھی جو اندھیرے میں پڑھی جاتی ہیں یعنی عشاء اور فجر۔

بہرحال اسلام کی نظر میں عورتوں کا گھر کے اندر ہی رہنا بہتر ہے چنانچہ دیکھئے کہ جمعہ کی نماز فرض ہے اور عیدین کی نمازیں واجب ہیں۔ لیکن عورتوں پر نہ جمعہ فرض کیا گیا ہے اور نہ ان پر عیدین کی نمازیں واجب ہیں۔ اسی طرح مسلمان کی نماز جنازہ ادا کرنا فرض کفایہ ہے لیکن عورت کو اس سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح عورتوں کو زیارتِ قبور سے فقہاء کرام نے ممانعت فرمائی ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ جب عورت کو اتنے اہم امور میں شرکت سے باز رکھا گیا ہے تو وہ کھلے منہ بازاروں میں کس طرح گھوم سکتی ہے۔ جو اسلام اس کی گھر کی کوٹھڑی میں کی گئی عبادت کو مسجد میں کی جانے والی عبادت سے افضل قرار دیتا ہے۔ وہ اسلام عورتوں کا مخلوط کالجوں کلبوں، سینماؤں، ہوٹلوں اور دفتروں میں جانا کس طرح پسند کر سکتا ہے۔

بعض لوگ پردہ کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ عورت کو گھر کی چار دیواری کے اندر قید کر دیا جائے حالانکہ پردہ کا یہ مطلب نہیں اور نہ ہی عورت کو گھر کے اندر قید کرنا مقصود ہے بلکہ پردہ کا مقصد عورت کی حفاظت کرنا ہے اور اسکو خانگی امور کی احسن طریقے سے انجام دہی کا موقعہ فراہم کرنا ہے۔ بھلا سوچئے تو سہی کہ جو عورت دفتروں کا کام کرے گی، کلبوں میں جائیگی، مردوں کے دوش بدوش سوسائٹی میں موجود رہے گی اور اپنا وقت مردوں کی طرح گھر سے باہر گزارے گی وہ عورت گھر کا انتظام کیسے چلا سکے گی، بچوں کی تربیت کس طرح کر سکے گی؟

آزادیٔ نسواں کے نام نہاد حامی اس بات کو بڑا اچھالتے ہیں کہ عورت کو گھر کے اندر بند رکھنے سے اس کو تازہ ہوا، کھلی فضا اور روشنی میسر نہیں آسکتی، اس لئے اس کی صحت کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کی باتیں درحقیقت پردہ کے خلاف محض پروپگنڈہ ہیں۔ کیا مردوں کو آج کے مصروف ترین دور میں کھلی فضا اور تازہ ہوا میسر آتی ہے؟

عورتوں کی نسبت آج مرد کھلی ہوا اور تازہ فضا سے محروم ہے۔ عورت کو تو پھر بھی گھر کا صحن میسر آتا ہے۔ اور اگر چند گھنٹے چولہے کے پاس گزارتی ہے تو اس کا زیادہ وقت سلائی کڑھائی میں گزرتا ہے جو اس کیلئے تفریح کی حیثیت رکھتا ہے۔ عورت اپنی مرضی سے گھر میں چلتی پھرتی رہتی ہے لیکن مرد اگر دکاندار ہے تو دکان پر جم کر بیٹھا ہے اور صبح سے شام تک ایک ہی جگہ جما ہوا ہے۔ اگر مرد دفتر میں ملازم ہے تو دفتر کے کمرے میں بند ہے۔ فیکٹری میں کام کرتا ہے تو دس بارہ گھنٹے فیکٹری کی گھٹی گھٹی فضا کے اندر مقید ہے۔ اگر مل میں ملازم ہے تو مل کے اندر تیل کی بو، دھنکی ہوئی روئی کے اڑتے ہوئے روئیں، دھواں اور فاسفورس وغیرہ کی بدبو اس کی صحت پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ کیا یہ سب باتیں مرد کی صحت کی حفاظت کرتی ہیں؟ تعجب ہوتا ہے کہ مرد تو دن بھر دکان دفتر یا مل میں کام کرے گا شام کو سینما ہال کی مسموم ہوا میں دو تین گھنٹے سگرٹیوں کے زہر آلود دھوئیں میں بیٹھے گا لیکن اُسے اپنی صحت کی حفاظت کا خیال نہیں آئے گا۔ اور معاملہ جب عورت کی پردہ نشینی کا ہو گا تو فوراً اسکی صحت کی فکر لاحق ہو جائیگی۔

پردہ ابتدائے اسلام سے چلا آرہا ہے۔ اگرچہ مختلف زمانوں میں بدلتے ہوئے حالات کے تحت پردے کی نوعیت بھی بدلتی رہی ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پردہ کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ جب احکام اسلامی کی پوری پابندی کی جاتی تھی عورتیں پردہ کی پابند ہوتی تھیں۔ کیا کہا جا سکتا ہے

وقت عورت کی صحت خراب تھی ؟ اگر ان کی صحت خراب ہوتی تو یقیناً ان کی اولاد کمزور ہوتی۔ اور دنیا پر ان کی ہیبت طاری نہ ہوتی اور مٹھی بھر مسلمان دنیا بھر میں تہلکہ نہ مچا دیتے۔

اقبال نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔

اگر پندے بدرویشے بگیری
ہزار امت بمیرد تو نمیری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوشِ شبیرے بگیری

اقبال سے تو پردہ نشین مقدس خاتون کی آغوش میں جذبہ شبیری کے حامل بچے پلتے دیکھتے ہیں لیکن آج کا نام نہاد آزادی نسواں کا علمبردار پردہ کو عورت کی صحت کیلئے نقصان دہ خیال کرتا ہے۔

عورتوں کے چہروں کی طرح ان کی آواز بھی معاشرتی بے راہ روی اور دلوں کی کجی کا باعث بنتی ہے۔ آواز کی دلکشی اور نزاکت و حلاوت سے یقیناً جذبات متاثر ہوتے ہیں۔ باتوں کی تاثیر سے بات کرنے والے کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے قرآن پاک نے ان باتوں کے انسداد کے لئے عورتوں کو ہدایت فرمادی کہ وہ آوازیں ایسی نرم پیدا نہ کریں کہ دل کا بیمار انسان کچھ لالچ کرے۔

سورہ احزاب میں ایک طرف تو عورتوں کو آواز میں نرمی اور لوچ پیدا کرنے سے منع کیا ہے لیکن دوسری طرف مردوں کو بھی حکم دیا گیا ہے وہ اگر امہات المومنین سے کوئی سوال پوچھنا چاہیں یا کوئی چیز لینی چاہیں تو پردہ کی اوٹ میں رہیں۔ یہ حکم گو امہات المومنین کے بارے میں ہے لیکن اس میں عام مسلمانوں کیلئے بھی تعلیم موجود ہے۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عورت کے معاملہ

میں کتنی احتیاط سے کام لیتا ہے اور برائی پیدا کرنیوالے مختلف اسباب کو کسی نہ کسی انداز سے ختم کرتا ہے عورتوں کو چلنے میں بھی احتیاط کرنے اور پاؤں زمین پر نہ مارنے کا حکم ہے تاکہ ان کا چھپا ہوا زیور معلوم نہ ہو اور زیوروں کی جھنکار دوسروں تک نہ پہنچے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب عورت کی آواز کا بلا ضرورت اجنبی مرد کے کانوں میں پڑنا مناسب نہیں سمجھا گیا تو خود عورت کو اپنی زیبائش زیور اور رعنائی کی نمائش کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے۔ یہاں تو شریعت نے عورت کو اذان، اقامت اور خطبہ جیسے اہم امور سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

یہاں ایک اور بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جو عورتیں پردہ کرتی ہیں ان میں سے اکثر سبزی فروش، پھیری والے، دوسرے گھروں سے کام کرنے والوں مزدوروں وغیرہ سے پردہ نہیں کرتیں، حالانکہ ان سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے۔

بعض نام نہاد پیروں کی محفل میں اکثر عورتوں کو بغیر پردہ دیکھا جاتا ہے، یہ پیر بھی ان کو پردہ کرنے کی ہدایت نہیں کرتے۔ شرعاً ہر اجنبی اور غیر محرم سے پردہ کرنا لازمی ہے۔

اسلام نے بدکاری اور بے حیائی کے انسداد کیلئے جو تدابیر تعلیم فرمائی ہیں۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو معاشرہ برائیوں سے یقیناً پاک صاف ہو سکتا ہے۔ جب شہوانی ہیجانات اور جنسی تحریکات کا سدِباب ہو جائیگا تو پھر بھلا بدکاری کی واردات کیسے رونما ہو سکے گی۔ تاہم اگر شومیٔ قسمت سے کوئی شخص بدکاری کا مرتکب ہو جاتا ہے تو اسلام نے اس کیلئے سزا تجویز کی ہے کہ اس سزا کے ملنے کے بعد نہ صرف یہ کہ وہ دوبارہ بدکاری کا ارتکاب نہیں کر سکتا بلکہ اس سزا پر پوری آبادی پر ہیبت چھا جاتی ہے۔

مثلاً زنا کے بارے میں قرآن پاک نے ارشاد فرمایا:۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النور)

جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے

لگاؤ اور تمھیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں اگر تم ایمان لاتے ہو

اللہ اور پچھلے دن پر۔

یہ خطاب حکام کو ہے کہ مرد یا عورت سے زنا سرزد ہو جائے اس کو سو کوڑے لگائیں جائیں۔ یہ حد غیر محض (غیر شادی شدہ) کے لئے ہے۔ حر محض کا حکم یہ ہے کہ اسکو رجم کیا جائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحکم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رجم کیا گیا اور محض وہ آزاد مسلمان ہے جو مکلف ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کر چکا ہو۔ خواہ ایک ہی مرتبہ ایسے شخص سے زنا ثابت ہو جائے تو رجم کیا جائیگا۔ اگر ان میں سے ایک بات بھی نہ ہو مثلاً حر نہ ہو یا مسلمان نہ ہو یا عاقل و بالغ نہ ہو۔ یا اس نے کبھی اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہ کی ہو یا جس کے ساتھ کی ہو اس کے ساتھ نکاح فاسد ہوا ہو تو یہ سب باتیں غیر محض میں شامل ہیں۔ ان کا حکم کوڑے مارنا ہے۔ ثبوت گناہ یا تو چار مردوں کی گواہی سے ہوتا ہے یا زنا کرنے والے کے خود چار مرتبہ اقرار کرنے سے گواہوں کو صراحتہً اپنا معائنہ بیان کرنا ہوگا اس کے بغیر اس کا ثبوت نہ ہوگا۔

اس آیت پاک میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ نفاذ حد پر تمھیں ترس نہیں آنا چاہیئے یہ دین کا معاملہ ہے اور دین کے معاملے میں ترس و لحاظ کیسا بعض لوگ اسلام کی حدود و تعزیرات کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سزائیں بڑی ظالمانہ ہیں لیکن وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں اگر ایک طرف ایک شخص کو ہم سزا دے رہے ہیں تو دوسری طرف معاشرہ کے دوسرے افراد کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کر رہے ہیں۔ کیا بات ٹھیک ہے کہ جرائم پر سخت قسم کی سزائیں نہ دے کر پورے معاشرے کو برائیوں کی آماجگاہ بنا دیا جائیگا یا دو چار افراد کو ثبوت جرم پر شرعی سزا دے کر پورے جرائم

سے معاشرہ کو پاک وصاف کر دیا جائے۔

مغربی قانون کی نظر میں زنا بجائے خود کوئی جرم نہیں۔ یہ جرم صرف اس وقت بنتا ہے جبکہ جبر واکراہ کے ساتھ ہو۔ یا عورت اگر شوہر والی ہے تو اس کا شوہر حق تلفی کا دعویٰ کرے اگر زنا جبر واکراہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ تو اسکی سزا محض چند مہینے قید ہے اور زانیہ اگر شوہر والی ہے۔ تو اس کے شوہر کی طرف سے دعویٰ کئے جانے کی صورت میں حق تلفی کے جرم میں محض ہرجانہ کے طور پر چند سکوں کی ادائیگی کی سزا دی جاتی ہے۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو زنا ایک تفریح کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں زنا عام ہے وہاں مرد اور عورت وقتی طور پر دل بہلانے کے لئے اس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انہیں کوئی سزا نہیں دی جاتی جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پوری سوسائٹی بدکاری کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔

جرائم کا انسداد وہی سزا کر سکتی ہے جو جرم کے لطف یا فائدے کی نسبت سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہو۔ اگر ہزاروں روپے کی چوری کرنے والے کو چند مہینوں کیلئے قید کر دیا جائے تو اس کا اس میں کیا نقصان ہے۔ لیکن اسلام نے ایسے شخص کیلئے جو دس درہم سے زیادہ مقدار کی مالیت کی چوری کرتا ہے سزا قطع ید رکھی ہے۔ اگر چوری ثابت ہو جانے پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا تو یقیناً عمر بھر اس کو یہ خوف رہے گا کہ اگر اب میں نے چوری کا ارتکاب کیا تو دوسرے سے بھی محروم کر دیا جاؤں گا۔ اور پھر اس کا کٹا ہوا ہاتھ بھی پوری آبادی کیلئے وجہ عبرت ثابت ہوتا رہے گا۔

اسلام نے زنا کی جو سزا مقرر کی ہے وہ ایسی سزا ہے کہ اوّل تو زنا کرنیوالا اس سزا کے ملنے کے بعد زندہ ہی نہیں رہتا اور اگر سو کوڑوں کی سزا کے بعد بھی کسی طرح زندہ رہ جائے تو عمر بھر زنا کا نام نہیں لے سکتا۔ لیکن زنا کا ارتکاب کرنے والے کے علاوہ پوری آبادی کو جو عبرت حاصل ہوتی ہے وہ الگ۔ ذرا غور کیجئے کہ ایک محصن زانی کو زمین میں گاڑ کر اس پر

سنگباری کی جائے اور بر سرِ عام یہ عمل ہو رہا ہو ہزار ہا افراد اس عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس شخص کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اب دیکھنے والوں کی جو کیفیت ہو گی۔ اور اس حد کے اجرار سے ان کے دلوں پر جو ہیبت طاری ہو گی اس کے بعد ناممکن ہے کہ کوئی شخص ایسے فعل شنیع کا ارتکاب کر سکے۔ یہ سزا بظاہر سخت اور ظالمانہ معلوم ہوتی ہے لیکن انسدادِ جرم کے سلسلہ میں اس کے دور رس نتائج نکلتے ہیں انکے پیشِ نظر اس سزا کو کسی صورت بھی ظالمانہ نہیں کہا جا سکتا۔ پھر یہ بھی تو سوچنے کی بات ہے کہ جس جُرم کی پاداش میں یہ سزا دی جا رہی ہے وہ جرم کتنا بڑا ہے۔

اسلام کی نظر میں حقوق العباد میں قتل ناحق سب سے بُرا فعل ہے اس کے بعد جس فعل کو سب سے زیادہ بُرا کہا گیا ہے وہ زنا ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا کہ تم خدا کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ۔ عرض کیا گیا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تم اپنے لڑکے کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا۔ عرض کیا گیا اس کے بعد؟ ارشاد ہوا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

اس حدیث پاک کی تائید قرآن پاک کی سورۂ فرقان سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

"جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ پکاریں
اور کسی جان کو ناحق نہ کریں کہ اسکو خدا نے حرام کیا
ہے اور زنا کا ارتکاب نہ کریں۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ زانی جس وقت زنا کرتا ہے، شرابی جس وقت شراب پیتا ہے، چور جس وقت چوری کرتا ہے اور ڈاکو جس وقت ڈاکہ ڈالتا ہے تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ (البخاری)

یعنی یہ افعال اتنے بُرے ہیں کہ ان کے ان افعال کے ارتکاب کے وقت نورِ ایمان

ان سے نکال لیا جاتا ہے

بخاری شریف کی ایک اور طویل حدیث میں ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عجائبات دکھائے گئے۔ آپ نے ایک سوراخ دیکھا جو اوپر سے تنگ اور نیچے سے کشادہ اس کے نیچے آگ جل رہی تھی۔ جب آگ بلند ہوتی تو کچھ ننگے مرد اور کچھ ننگی عورتیں شعلوں کے ساتھ بلند ہوتیں اور اس تنور سے نکلنے کے قریب ہو جاتیں۔ جب آگ کم ہو جاتی تو وہ لوگ نیچے چلے جاتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جبرئیل امین نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حرام کاری کرتے تھے۔"

حدیث معراج میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا۔ کچھ لوگ ہیں۔ ان کے سامنے پکا ہوا گوشت ہے۔ دوسری طرف گلا سڑا گوشت ہے وہ لوگ تازہ گوشت چھوڑ کر گندا گوشت کھا رہے ہیں۔ جبرئیل امین نے عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حلال و طیب منکوحہ عورتیں رکھتے ہوئے دوسری خبیثہ عورتوں کے ساتھ بدکاری کرتے تھے۔

زنا اس قدر برا فعل ہے کہ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم میں زنا عام ہو جاتی ہے اس قوم پر قحط مسلط کر دیا جاتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی اس بات پر سخت غصہ آیا۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا۔ اور فرمایا! کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمھاری ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ کے ساتھ کوئی زنا کرے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں! آپ نے فرمایا۔ اسی طرح دوسرے بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ کے ساتھ کوئی یہ فعل شنیع کرے اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے لئے دعا فرمائی کہ یا اللہ اس کے گناہ

کو معاف کر دے ۔ اس کے دل کو پاک کر دے اور اس شخص کی شرمگاہ کو پاک کر دے حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس شخص کی بے رغبتی کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا ۔

قرآن پاک نے جہاں بدکاری کی مذمت کی ہے اور اس کے مرتکب کیلئے سزا تجویز کی ہے وہاں عفت و پاکبازی اختیار کرنے والوں کی تعریف بھی کی ہے اور عفت و پاکدامنی اختیار کرنیکی ترغیب بھی دی ہے ۔ قرآن پاک نے عفت و پاکدامنی کو اہل ایمان کا امتیازی وصف بتایا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے !

جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں (ومعارج)

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے مرد اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والی عورتیں ۔ ( )

اور جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے اور کسی شخص کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا کے مرتکب نہیں ہوتے ۔ (فرقان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاک باز اور پاک دامن مسلمانوں کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا ۔ کہ قیامت کے دن جب خدا کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا ۔ اللہ تعالے سات آدمیوں کو اپنے سائے میں لے گا ۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جس کو ایک معزز اور حسین عورت نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں ۔

(بخاری ۔ کتاب الحدود)

ایک اور حدیث میں آپ نے زمانہ قدیم کے تین شخصوں کا واقعہ سنایا ۔ یہ تینوں ایک سفر میں شریک تھے ۔ راستہ میں اتفاقاً بارش آگئی ۔ تینوں نے ایک غار میں پناہ لی ۔ اتفاقاً ایک بڑا پتھر لڑھک کر غار کے منہ پر آگرا ۔ پتھر بڑا وزنی تھا ۔ جب نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو تینوں نے اپنے اپنے نیک کردار کے وسیلہ سے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ پتھر ہٹ

جائے، ہر ایک کی دعا پر پتھر تھوڑا تھوڑا سرکتا رہا۔ تیسرے شخص نے دعا کی۔ کہ یا اللہ میری ایک چچازاد بہن تھی میں اس سے محبت کرتا تھا۔ میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن جب تک میں اسے سو دینار نہ دے دیتا وہ راضی نہ ہوتی۔ میں نے بڑی محنت سے کمائی کر کے سو دینار اس کو دیئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اس لڑکی نے کہا خدا سے ڈرو۔ یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں تیرے خوف سے اس برے فعل سے رک گیا۔ میں نے صرف تیری رضا کے لئے ایسا کیا۔ یا اللہ میرا یہ عمل اگر مقبول ہے تو اس پتھر کو اٹھا دے۔ اس کی دعا سے پتھر غار کے منہ سے ہل کر الگ ہو گیا۔ (بخاری کتاب الادب)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں بدکاری کی وجہ سے انسان پر مصائب و آلام آتے ہیں وہاں خدا کے خوف کے تحت گناہ سے رک جانے کی وجہ سے اللہ تعالٰی راضی بھی ہوتا ہے اور برکتیں بھی عطا فرماتا ہے۔ یہ حدیث پاک گناہ سے بچنے کی توفیق کے سلسلہ میں ارشاد ہوئی ہے۔ اللہ تعالٰی سب مسلمانوں کو گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

زنا اور بدکاری کی روک تھام کے سلسلہ میں اسلام نے جہاں تعزیراتی تدابیر اختیار کی ہیں وہاں تنظیم معاشرت کے سلسلہ میں جنسی تقاضوں کو پورا کرنے اور قدرت کے مقررہ اصولوں کو جاری رکھنے کیلئے طریق کار بھی وضع فرمائے ہیں۔ زنا سے بچنے کا جو بہترین راستہ اسلام نے بتایا ہے اس کا نام نکاح ہے۔

یہ ایک ایسا راستہ ہے جس سے انسان اپنی ضرورت کو جائز طریقے سے پورا کرتا ہے۔ نکاح ایک باحرمت رشتہ ہے جو مرد اور عورت کی مرضی اور پورے اعلان کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ پوری سوسائٹی کو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ فلاں مرد اور فلاں عورت جائز طریقے سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے ہیں۔ یہ نکاح

ایک طبعی ضرورت ہی نہیں بلکہ ایک شرعی ضرورت بھی ہے۔ نکاح مرد اور عورت کے درمیان مستقل رفاقت کا ایک مکمل پختہ معاہدہ ہوتا ہے جسے قرآن پاک نے میثاقاً غلیظاً کہا ہے

نکاح کرنا سنت بھی ہے اور واجب بھی۔ بعض حالتوں میں فرض بھی ہو جاتا ہے۔ اعتدال کی حالت میں یعنی نہ شہوت کا غلبہ ہو اور نہ نامرد ہو اور مہر نفقہ پر قدرت رکھتا ہو تو نکاح سنّت موکدہ ہے۔ اگر شہوت کا غلبہ ہو اور اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرے گا تو زناء میں مبتلا ہو جائے گا تو ایسی صورت میں نکاح کرنا واجب ہے۔ اور اگر یقین ہو کہ اگر نکاح نہ کیا جائے تو زنا واقع ہو جائیگا اس صورت میں نکاح کرنا فرض ہے۔

قرآن پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء)

نکاح کرو تم عورتوں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو۔ دو سے تین سے چار سے "اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم عدل نہیں کرسکو گے۔ تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

تم نکاح کرو کیونکہ وہ آنکھوں کی بدنظری سے بچانے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنیکا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص نکاح کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے۔ (ترمذی)

یہاں نکاح نہ کرسکنے کی صورت میں جذبہ شہوت کو دبانے کیلئے روزے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ ایک ایسا علاج ہے جو دنیا کے کسی اور مذہب نے تجویز نہیں کیا۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس کا طریق علاج بھی فطری ہے۔ وہ نس بندی اور دوسرے مادی ذرائع سے قوتِ مردمی کو ختم کرنے کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ جذبہ شہوت پہ قابو پانے

کے لئے قدرتی طریقہ یعنی روزے رکھنا بتاتا ہے ۔

بدکاری سے بچنے کے سلسلہ میں شادی شدہ مرد کو تاکید کی گئی ہے کہ :۔

جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو دیکھ لے
اور وہ اس سے متاثر ہو تو وہ اپنی بیوی کے پاس
چلا جائے ۔ اس کے پاس وہی ہے جو اس کے
پاس ہے ۔ (ترمذی)

ایک اور مقام پر فرمایا جو تم سے چاہتا ہے کہ خدا سے پاک صاف ہو کر ملے وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے ۔ (یعنی لونڈیوں سے شادی کرے) "ابن ماجہ"

مزید فرمایا ۔ جب تم میں سے کوئی نکاح کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے ، ہائے افسوس ابن آدم نے مجھ سے اپنا دو تہائی ایمان بچا لیا ۔

نکاح کے انعقاد کا بڑا سیدھا سادہ اور آسان طریقہ رکھا ہے ۔ اس کیلئے حسب حیثیت کچھ مہر ۔ دو گواہوں کی موجودگی اور مرد عورت کے ایجاب و قبول کی ضرورت ہے ۔ از روئے شریعت نکاح میں منگنی ، تیل مہندی وغیرہ رسومات کے اخراجات بھاری مہر اور مروجہ جہیز ۔ پر تکلف کھانوں ، آتش بازی ، میز کرسی ، بینڈ باجہ وغیرہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ۔ ویسے بھی آتش بازی ، بینڈ باجہ ڈھولک اور کھڑے ہو کر کھانا شرعاً ممنوع ہیں مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس سیدھی سادھی آسان سنت نکاح کو غیر ضروری اور ناجائز چیزوں کا مجموعہ بنا کر دشوار ترین بنا دیا گیا ہے ۔ ان غیر ضروری رسومات نے ایک طرف تو صاحب اولاد غربا اور متوسط گھرانوں کو پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے اور دوسری طرف بے حیائی و بدکاری کو فروغ مل رہا ہے ۔

شریعت نے مرد کے ذمہ عورت کا جو نفقہ یعنی خوراک ، لباس و رہائش رکھا ہے اور اس کے ساتھ ہی مہر بھی لازمی قرار دیا ہے ۔ شریعت نے مہر کی زیادتی کے سلسلہ میں کوئی

قید نہیں لگائی ۔ البتہ فقہاکرام نے مہر کی کم از کم مقدار دس درہم رکھی ہے جسکی مقدار آج کل کے وزن کے مطابق ۲/۱ ۳۱ ماشے چاندی ہے ۔ بعض لوگ ۳۲.۲۵ روپے مہر باندھتے ہیں اور اس کو شرعی مہر کہتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ ۲/۱ ۳۱ ماشے چاندی یا اس کی مالیت کے برابر کا سامان یا اس کی قیمت سے اگر کم رقم کا مہر رکھا جائے تو یہ مہر درست نہیں ہوگا ۔ بلکہ شوہر کے ذمہ باقی کی رقم واجب الادا ہوگی ۔

آج کل عام طور پر بھاری مہر مقرر کرنیکا رواج ہوگیا ہے ۔ لڑکی والے اسقدر زیادہ مہر مقرر کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو لڑکے کی حیثیت سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور لڑکا اسے کسی صورت میں ادا نہیں کر سکتا ۔ اس طرح زیادہ مہر مقرر کرنے سے بہت سی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں مثلاً نکاح تو ہوگیا اب نکاح کے بعد اگر میاں بیوی کے درمیان نباہ کی صورت پیدا نہیں ہو سکی تو شوہر اس خیال سے طلاق بھی نہیں دے سکتا کہ وہ مہر کی رقم ادا کرنیکی حیثیت نہیں رکھتا ۔ بیوی مہر معاف کرنے کو تیار نہیں ۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورت معلق ہو کر رہ جاتی ہے ۔ نہ گھر میں آباد ہوتی ہے اور نہ کہیں اور نکاح کر سکتی ہے اور اس طرح معاشرتی برائی پیدا ہونے کے امکانات کو تقویت ملتی ہے ۔

مہر مرد و عورت کی باہمی رضامندی سے مقرر کیا جاتا ہے لیکن اکثر دیکھنے میں آیا ہے عین نکاح کے وقت مہر کے تقرر کے سلسلہ میں فریقین میں بحث و مباحثہ چل نکلتا ہے اور جھگڑے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے ۔ بعض مرتبہ تو ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ مفاہمت کی صورت پیدا نہ ہونے کی وجہ سے بارات کو واپس لوٹنا پڑتا ہے جس سے دونوں فریقوں کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور لڑکی والوں کی زیادہ بدنامی ہوتی ہے اگر وقتی طور پر یہ معاملہ درست ہو بھی جائے لیکن نکاح کے بعد کی زندگی پر یقیناً اس کا اثر پڑتا ہے اور مہر کی زیادتی کا مسئلہ اس کیلئے طعنوں کا باعث بن جاتا ہے ۔

نکاح کے راستہ میں مشکلات پیدا کرنیوالی دوسری چیز مروجہ جہیز ہے۔ مسلمانوں میں آجکل جہیز کا مسئلہ بھی بڑا اہم مسئلہ بنا ہوا ہے۔ لڑکے والوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ لڑکے کا رشتہ اس جگہ کیا جائے جہاں سے لڑکی کو ڈھیر سارا جہیز بھی ملے۔ غریب لڑکی والے اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ جہیز کی تیاری کس طرح کی جائے کہ لڑکی کی ڈولی اُٹھے۔ مجبوراً قرض لیکر جہیز کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ لڑکی تو گھر سے رخصت ہو جاتی ہے لیکن والدین ہمیشہ کیلئے قرض کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔ اور اگر لڑکی کو جہیز کم ملے تو سسرال والوں کے عمر بھر کے طعنے سننے پڑتے ہیں۔ جہیز کے موجودہ مسئلہ نے یہ صورتحال اختیار کرلی ہے کہ غریب لوگ دورِ جاہلیت کی طرح اب بیٹی کی ولادت کو بڑی مصیبت تصور کرنے لگے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو رخصتی کے وقت بان کی چارپائی، چکی، مٹی کے گھڑے، مشکیزہ اور اذفر سے بھری ہوئی توشک وغیرہ قسم کا سامان دیا تھا۔ یہ سامان نیا گھر بسانے کے لئے ضروری تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہیز دینا جائز ہے۔ لیکن جہیز نے آج جو صورت اختیار کرلی ہے وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ملنے والے جہیز سے مختلف ہے۔ اب جہیز نام و نمود کا ذریعہ بن گیا ہے۔ رخصتی کے وقت جہیز کی نمائش کی جاتی ہے۔ پھر اس پر داد حاصل کرنیکی خواہش بھی ہوتی ہے۔ لیکن داد دینے کی بجائے لوگ باتیں کرتے ہیں کہ کیا تھا اگر فلاں چیز بھی دے دیتا۔ اللہ نے اتنا دیا ہے کیا بچی کو فلاں چیز نہیں دے سکتا تھا۔ اب ضروریاتِ زندگی کی اشیاء دینے کی بجائے سامانِ تعیش دیا جاتا ہے۔ آج اگر جہیز میں ریڈیو اور ٹی وی شامل نہ ہوں تو جہیز نامکمل سمجھا جاتا ہے۔ اس پر مزید ستم یہ ہے کہ اس قسم کا جہیز دینے کو بھی شرعی جواز کا رنگ دیا جاتا ہے۔ افسوس ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ آج مسلمان غلط باتوں کو تو ضروری سمجھتے ہیں لیکن شریعت کے مطابق عمل کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر بیٹی کو حسب توفیق جہیز دیا جائے تو کوئی قباحت نہیں بلکہ اچھا ہے لیکن نام و نمود کیلئے جہیز دینا ضرور قبیح ہے اور سامانِ تعیش دینا تو

کسی صورت میں بھی درست نہیں۔

شادی کے موقعہ پر والدین اپنی لاڈلی بیٹی کو گھر سے رخصت کرتے وقت پدری شفقت اور مادری محبت کے تحت کچھ نہ کچھ سامان تیار کر کے دیتے ہیں یہ عمل طبعاً ہوتا ہے صرف رخصتی پر ہی نہیں ویسے بھی اکثر وبیشتر والدین بیٹی کو کچھ نہ کچھ دیتے ہی رہتے ہیں۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے کہ ایک غیر ضروری چیز کو لازمی تصور کر لیا گیا ہے اور اس کے بغیر رشتۂ ازدواج کو ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ بچی پیدا ہوتی ہے تو ماں باپ کو فکرمندی شروع ہو جاتی ہے۔ جیسے جیسے بچی بڑی ہوتی ہے۔ والدین کی پریشانیوں میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے اور جہیز کی تیاریاں شروع کر دی جاتی ہیں۔ باپ بیچارہ عمر بھر کی پونجی جہیز کی تیاری پر لگا دیتا ہے یہی نہیں بلکہ اسے اتنا قرض بھی لینا پڑتا ہے کہ عمر بھر اس سے نجات حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس جہیز کی بدولت کتنی لڑکیاں جوانی سے گزر کر بڑھاپے کی حدود میں پہنچ جاتی ہیں لیکن ان کی شادی نہیں ہو سکتی۔

ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ رخصتی کے وقت جہیز کی نمائش کی جاتی ہے۔ لڑکے والوں کو خصوصی طور پر جہیز دکھایا جاتا ہے۔ اور اس نمائش کو قابل فخر بات سمجھا جاتا ہے لیکن یہ نہیں سوچا جاتا کہ اس عمل سے غریب لوگوں اور انکی بچیوں پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایک غریب شخص کی بچی جب اپنے محلہ کی اس بچی کا جہیز دیکھتی ہے تو دل مسوس کر رہ جاتی ہے اور اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کاش اسے بھی اتنا ہی جہیز ملے اگر کسی بچی کے غریب والدین زیادہ جہیز نہیں دے سکتے تو عمر بھر اس کو سسرال والوں کے طعنے سننے پڑتے ہیں۔ اگرچہ اس دور میں بھی ایسے مسلمان موجود ہیں جو سیدھے سادے طریقہ پر بچیوں کی شادیاں کر دیتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جو غلط رسم ورواج کی سختی سے پابندی کرتے ہیں اور یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے نکاح دشوار ہو

گیا ہے اور بدکاری آسان۔

بعض لوگ نکاح کے وقت شرعی مہر کی باتیں تو کرتے ہیں اور جہیز کو سنت بھی قرار دیتے ہیں اور خطبۂ نکاح النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی لیس منی کی حدیث پاک بھی سنتے ہیں لیکن یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے خود اس تقریب نکاح میں کتنی باتیں خلاف سنت ہو رہی ہیں۔ بینڈ باجے کے ساتھ بارات لانا۔ شادی سے کئی روز پہلے ہی ڈھولک پر لچر اور بیہودہ گیت گانا۔ بھانڈوں کی بیہودہ باتوں پر خوش ہو کر ان کو انعام دینا۔ کھڑے ہو کر کھانا۔ کیا یہ سب باتیں خلاف شریعت نہیں؟ ہم مسلمان ہیں، ہمارا مرنا، جینا، اٹھنا، بیٹھنا شادی بیاہ سب ہی کام شریعت کے تابع ہونے چاہئیں، جہاں ہم زیادہ سے زیادہ دینے کی فکر کرتے ہیں وہاں ہمیں شریعت کے مطابق میراث میں سے بھی بیٹی کا حصہ ادا کرنا چاہیئے۔

بہر حال نکاح جو ایک پاکیزہ عمل ہے۔ ایمان کی حفاظت کرنیوالا اور قلب و نظر کو فساد سے بچانے والا ہے جس کی بدولت معاشرہ بدکاری و بے حیائی سے پاک ہوتا ہے۔ ہمیں اس عمل کے راستہ میں پیدا ہونے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنا چاہیئے۔ غلط رسم و رواج کو ترک کر دینا چاہیئے۔ جہیز کو لازمی نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ حسب حیثیت جو کچھ آسانی کے ساتھ بیٹی کو دیا جا سکتا ہو وہ دے دیا جائے۔ اور اس کو نام و نمود کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ مہر کا تعین بھی باہمی رضامندی سے حسب توفیق کیا جانا چاہیئے۔ اگر عورت مہر معاف کر دے تو اچھی بات ہے۔ ورنہ یہ اس کا شرعی حق ہے اور شوہر کو بخوشی اس کا یہ حق ادا کر دینا چاہیئے۔

آخر میں بعض ایسے امور کا ذکر بھی کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جن کی وجہ سے معاشرہ میں بے حیائی اور بدکاری بڑھ رہی ہے۔ معاشرہ میں بے حیائی اور بدکاری پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ سینما ہے۔ آج ہمارے ہاں جو فلمیں دکھائی جاتی ہیں ان میں ایسے مناظر دکھائے جاتے ہیں جو جنسی ہیجانات کو ابھارتے ہیں اتنے بے ہودہ گانے گائے جاتے

ہیں کہ کوئی عام انسان ویسے گانے اپنی ماں، بہن اور بیٹی کے سامنے گانا پسند نہیں کرتا لیکن سینما میں جا کر یہ سب کچھ ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔

سینما کے علاوہ ٹیلیویژن اور ریڈیو کا نمبر آتا ہے۔ یہ دونوں ادارے بھی بے حیائی پھیلانے کا ذریعہ بنے رہے ہیں۔ اگرچہ آج کل معمولی سی اصلاح رونما ہوئی لیکن اب بھی ٹیلیویژن پر رقص کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں اور ایسے گانے گائے جاتے ہیں جو اخلاقیات پر بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ یہی حال ریڈیو کا بھی ہے۔

ہمارے بعض رسائل و جرائد بھی اخلاقی برائیاں پھیلانے کا ذریعہ ہیں خصوصاً ڈائجسٹوں کی بھرمار ہے ان رسائل و جرائد اور ڈائجسٹوں میں جنسی کہانیاں اس انداز میں پیش کی جاتی ہیں کہ جن سے ناپختہ ذہنوں پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ ان مریض ذہن اہلِ قلم نے معاشرہ میں بے حیائی پھیلانے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔

بحمد اللہ ہم مسلمان ہیں ہمیں ارشادِ خداوندی " اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ" پر عمل کرتے ہوئے اپنی پوری زندگی کو اسلام کے ڈھانچے میں ڈھالنا چاہیئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر چلنا چاہیئے۔ اگر ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی زبانوں اور اپنے جنسی و نفسانی جذبات کو قابو میں رکھیں تو ہمارے معاشرے سے برائیاں ختم ہو سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہم سب کو اسلام پر چلنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تصنیفات اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدّد دین وملّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نزول آیاتِ فرقان بسکون زمین و آسمان
حرکتِ زمین و آسمان کے بارے میں

تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون
طاعون والے شہر کو چھوڑنے کے بارے میں

حقۃ المرجان لمہم حکم الدخان
حُقّہ پینے کے متعلق شرعی حکم

قلادہ بخشش

اعلیٰ حضرتِ عظیم البرکت کا وہ نعتیہ کلام جو حدائقِ بخشش میں نہیں ہے۔
اور دوسرے شعراء کرام کا نعتیہ کلام۔

بہترین آفسٹ طباعت اور اعلیٰ کاغذ سے مزیّن

حضرت اُستاذ العلماء مولانا محمّد اجمل شاہ صاحب
کی بہترین مناظرانہ کتاب

ردّ سیفِ یمانی قیمت ۱۲/۵۰

مکتبۂ معینُ الاِسلام کارخانہ بازار فیصل آباد

تحریکِ آزادی کے جیالوں کی داستان

جنہوں نے انگریزی اقتدار سے آزادی کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے اور قوم نے انہیں فراموش کر دیا۔

مطالعہ فرمائیے

تاریخ وہابیہ

قیمت ۱۵/-

مُرتبہ :- ابوالحسان قادری

ابُوالحسّان قادِری کی دو اور بہترین کِتابیں

تَنوِیرُالاِیمَان
۵/۲۵

تَنوِیرُالبُرھَان
۲/۲۵

مکتبہ مُعینِ الاسلام گلی نمبر ۳ کارخانہ بازار لائلپور فیصل آباد

ہماری مطبوعات

قلادۂ بخشش اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا وہ نعتیہ کلام جو حدائق بخشش میں نہیں ہے ۲/۲۵

مکمل تاریخ وہابیہ تحریک آزادی کے ان رہنماؤں کی داستان جنہیں متعصب مورخوں و مصنفوں [illegible] تاریخی حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں ۱۵/-

ردِ سیف یمانی ہمارے حق پرست علماء کا سلسلہ عرصہ سے جاری ہے، اس سلسلہ میں ایک کتاب بنام سیف یمانی شائع کی گئی، علامہ محمد احمد [illegible] علیہ الرحمۃ نے نہایت ہی عالمانہ اور مسکت جواب [illegible] فرمایا ہے ۱۳/۵۰

تنویر الایمان اپنے عقائد کی حفاظت کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیے ۵/۲۵

تنویر البرہان [illegible] کے مسکت جواب ۲/۲۵

العلم والعلماء عوام کو علماء دین کی کیسی عزت و احترام کرنا چاہیئے اور اس کے کیسے کیسے فوائد دنیا و آخرت میں حاصل ہونگے
حضرت علامہ نقی علی خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ کی تصنیف ۱/-

53
J
73.